عمیرہ احمد

آبِ حیات

آب حیات کی کہانی تاش کے تیرہ پتوں میں چھپی ہوئی ہے۔

2۔ ایک خوب صورت اتفاق نے امامہ اور سالار کو یکجا کردیا ہے۔ سالار نے امامہ کو ایر رنگز دیے ہیں۔ وہ بالکل ویسے ہی ہیں، جیسے امامہ شادی سے قبل پہنتی تھی اور جو اسے اس کے والد ہاشم نے دیے تھے۔ سکندر عثمان نے اس شادی کو کھلے دل سے قبول کیا۔

9۔ سی آئی اے ہیڈ کوارٹر کے ایک کمرے میں چار اشخاص گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے ایک پروجیکٹ پر کام کررہے ہیں۔ انہیں ایک شخص بلکہ اس کی پوری فیملی کے تمام بیرونی معاملات اور ذاتی زندگی کی تمام تر مکمل معلومات حاصل ہیں اور انہیں اس میں سے کسی ایسے پوائنٹ کی ضرورت ہے جس کی بنیاد پر وہ اس شخص پر ہاتھ ڈال سکیں۔ لیکن اس شخص سمیت اس کی فیملی کے نہایت شفاف ریکارڈ سے اب تک کوئی مشکوک بات نہیں نکال سکے مگر آخری پندرہ منٹ میں انہیں اس فیملی کی کسی لڑکی کی تاریخ پیدائش کے حوالے سے کوئی سرا مل جاتا ہے۔

J۔ وہ کئی راتوں سے تکلیف میں تھی۔ سکون آور ادویات کے بغیر سو نہیں پارہی تھی۔ وہ اپنے باپ سے بس ایک سوال

کرنے آئی تھی کہ اس نے اس کی فیملی کو کیوں مار ڈالا۔

6۔ اسپیلنگ بی کے بانوے مقابلے کے فائنل میں تیرہ سالہ اور نو سالہ دو بچے چودھویں راؤنڈ میں ہیں۔ تیرہ سالہ نینسی نے نو حرفوں کے لفظ کا ایک صرف غلط بتایا۔ اس کے بعد نو سالہ ایک خود اعتماد بچے نے گیارہ حرفوں کے لفظ کی درست اسپیلنگ بتادیں۔ ایک اضافی لفظ کے درست ہجے بتانے پر وہ مقابلہ جیت سکتا تھا۔ جسے غلط بتانے کی صورت میں تیرہ سالہ بچی دوبارہ فائنل میں آجاتی۔ وہ اضافی لفظ سن کر اس خود اعتماد، مطمئن اور ذہین بچے کے چہرے پر پریشانی پھیلی، جسے دیکھ کر اس کے والدین اور ہال کے دیگر مہمان بے چین ہوئے مگر اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اس کی سات سالہ بہن مسکرادی۔

A۔ وہ جانتی تھی کہ وہ بددیانتی کررہی ہے مگر پھر بھی اس نے اس کتاب کے پہلے باب میں تبدیلی کردی اور ترمیم شدہ باب کا پرنٹ نکال کر دیگر ابواب کے ساتھ فائل میں رکھ دیا۔

7۔ وہ دونوں ایک ہوٹل کے بار میں تھے۔ لڑکی نے اسے ڈرنک کی آفر کی مگر مرد نے انکار کردیا اور سگریٹ پینے لگا۔ لڑکی نے پھر ڈانس کی آفر کی' اس نے اس بھی انکار کردیا۔ وہ لڑکی اس مرد سے متاثر ہو رہی تھی۔ وہ اسے رات ساتھ گزارنے کے بارے میں کہتی ہے۔ اب کے وہ انکار نہیں کرتا۔

4۔ وہ اپنے شوہر سے ناراض ہو کر اسے چھوڑ آئی ہے۔ ایک بوڑھی عورت کے سوال و جواب نے اسے سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔ اب وہ خود اپنے اس اقدام سے غیر مطمئن اور ملول نظر آتی ہے۔

"چوبیسویں قسط"

جبریل نے ٹیبل کے دوسری طرف بیٹھے ہوئے شخص کو بغور دیکھا۔ وہ اس سے چند سال بڑا لگتا تھا۔ ایک بے حد مناسب شکل و صورت کا بے حد سنجیدہ نظر آنے والا مرد' جو کلین شیوڈ تھا۔ حالانکہ جبریل کے ذہن میں اس کا جو خاکہ تھا' وہ ایک داڑھی والے مرد کا تھا۔

ویٹر ان کے سامنے کافی رکھ کر چلا گیا تو احسن سعد نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"میرے بارے میں آپ یقیناً" بہت کچھ سن چکے ہوں گے میری سابقہ بیوی سے۔" اس کے لہجے میں ایک عجیب سی تحقیر اور یقین تھا' اور ساتھ ہونٹوں پر ابھر آنے والی ایک طنزیہ مسکراہٹ بھی۔ جبریل نے کچھ ایسا ہی جملہ اس میسج میں پڑھا تھا جو احسن سعد نے فون کالز پر اس سے رابطہ کرنے پر ناکامی پر اس کے لیے چھوڑا تھا۔

"مجھے اپنی سابقہ بیوی کے بارے میں تمہیں کچھ بتانا ہے۔"

چھ گھنٹے آپریشن تھیٹر میں کھڑے رہنے کے بعد اس کاغذ پر لکھی وہ تحریر پڑھتے ہی جبریل کا دماغ پل بھر کے لیے گھوم کر رہ گیا تھا۔ جس ریسپشنسٹ نے ڈاکٹر احسن سعد کا وہ پیغام جبریل سکندر کے لیے نوٹ کیا تھا اس نے وہ چٹ جبریل کو دیتے ہوئے بے حد عجیب نظروں سے اسے دیکھا تھا' وہ ایک بے حد اہانت آمیز فقرہ تھا اور اسے پڑھتے اور سنتے دیکھ کر کوئی بھی جبریل سکندر کے حوالے سے عجیب سے احساسات کا شکار ہوتا' اس کے باوجود کہ اس اسپتال میں جبریل بے حد "صاف ستھرا ریکارڈ" رکھنے والے چند نوجوان ڈاکٹرز میں سے ایک تھا۔

"آر یو شیور' دس از فار می (آپ کو یقین ہے کہ یہ میرے لیے ہے)" جبریل ایک پاکستانی نام دیکھنے کے باوجود اس پیغام کو پڑھ کر اس ریسپشنسٹ سے پوچھے بغیر رہ نہیں سکا' نہ وہ احسن سعد کو جانتا تھا نہ کسی سابقہ بیوی کو.... اور یہ شخص اس سے ایمرجنسی میں ملنا چاہتا تھا۔ اسے لگا کوئی غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے۔

"اوہ آیا آئی ایم پریٹی شیور!" اس ریسپشنسٹ نے جواباً" کہا۔

جبریل الجھے ذہن کے ساتھ کپڑے تبدیل کرنے کے لیے گیا تھا اور کپڑے تبدیل کرنے کے بعد اس نے وہیں کھڑے کھڑے احسن سعد کے اس نمبر پر کال کی جو اس چٹ پر لکھا ہوا تھا پہلی ہی بیل پر کال ریسیو کرلی گئی تھی۔ یوں جیسے وہ اسی کے انتظار میں تھا اور جبریل کے کچھ کہنے سے پہلے اس نے جبریل کا نام لیا۔ ایک لمحہ کے توقف کے بعد جبریل نے یس کہا۔

"مجھے آپ سے فوری طور پر ملنا ہے' میں کچھ دن کے لیے یہاں ہوں اور پھر چلا جاؤں گا۔" احسن سعد نے جلدی سے کہا۔

"مگر آپ مجھ سے کس سلسلے میں بات کرنا چاہتے ہیں؟ میں آپ کو نہیں جانتا۔"

چٹ کے اس پیغام کے باوجود جبریل پوچھے بغیر نہیں رہ سکا۔

"میں عائشہ کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔" احسن سعد کے جملے پر جبریل کا ذہن بھک سے اڑ گیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ عائشہ کا شوہر اس سے رابطہ کرے گا.... اس نے احسن سعد کا نام نہ نساء سے سنا تھا نہ ہی عائشہ سے اور نہ ہی اسفند کی تدفین کے موقع پر کسی سے' جہاں وہ دس پندرہ منٹ رک کر نساء اور ڈاکٹر نورین سے ہی تعزیت کر کے آیا تھا۔ اگر احسن سعد وہاں تھا بھی تو ان دونوں کی ملاقات نہیں ہوئی تھی' اور اب یک دم بیٹھے بٹھائے وہ نہ صرف اس کو کال کر رہا تھا' بلکہ کال کر کے وہ بات بھی عائشہ ہی کے بارے میں کرنا چاہتا تھا لیکن کیا بات......؟

"عائشہ عابدین؟" جبریل نے بڑے محتاط لہجہ میں اس سے پوچھا' اس بار یہ یقین ہونے کے باوجود کہ وہ عائشہ عابدین ہی کا شوہر ہو سکتا تھا' اس کو فوری طور پر کوئی اور 'عائشہ' یاد نہیں آئی تھی جس کا شوہر اس سے رابطہ کرنے کی ضرورت محسوس کرتا اور رابطہ کرنے کی ضرورت تو یقیناً" اسے عائشہ کے شوہر سے بھی متوقع نہیں تھی۔

"ہاں۔۔۔ ڈاکٹر عائشہ عابدین۔" دوسری طرف سے احسن سعد نے بڑے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں یہ سمجھ نہیں پارہا کہ آپ مجھ سے ملنا کیوں چاہ رہے ہیں؟" جبریل کہے بغیر نہیں رہ سکا۔ "میں آپ کو ٹھیک سے جانتا بھی نہیں۔"

"آپ مجھے ٹھیک سے نہیں جانتے لیکن میری سابقہ بیوی کو ضرورت سے زیادہ جانتے ہیں' اسی لیے اسے وکیل فراہم کررہے ہیں۔۔۔ اس کی ضمانت کروارہے ہیں۔"

جبریل خاموش رہا۔ احسن سعد کے طنز میں صرف تحقیر نہیں تھی۔ "باخبری" بھی تھی۔۔۔ مکمل معلومات رکھنے کے بعد ہی اس سے رابطہ کررہا تھا۔

"میں آپ کے اسپتال سے زیادہ دور نہیں ہوں۔۔۔ اور میں زیادہ وقت بھی نہیں لوں گا آپ کا کیونکہ آپ بھی مصروف ہیں اور فالتو وقت میرے پاس بھی نہیں ہے۔۔۔ لیکن آپ سے ملنا اس لیے ضروری ہے کیونکہ ایک مسلمان کے طور پر میں آپ کو اس خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں' جس کا اندازہ آپ کو نہیں ہے اور چاہتا ہوں آپ وہ غلطی نہ کریں' جو میں نے کی ہے۔"

وہ احسن سعد بہت لمبی بات کرتا تھا' اس کی بات سنتے ہوئے جبریل نے سوچا مگر وہ اس کی بات سننے سے بھی پہلے اس سے ملنے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ وہ احسن سعد سے مل کر اس سے کہنا چاہتا تھا کہ وہ عائشہ کے خلاف وہ کیس واپس لے لے جو اس نے فائل کیا تھا۔ اس وقت احسن سعد کے ساتھ ملنے کی جگہ طے کرتے ہوئے اسے یقین تھا کہ وہ اس شخص کو سمجھا لے گا' اس کے باوجود کہ اس نے نساء سے اس کے بارے میں بے حد خوف ناک باتیں سنی تھیں۔ اس کے باوجود کہ اس نے عائشہ عابدین کی وہ حالت دیکھی تھی مگر کہیں نہ کہیں جبریل سکندر اسے ایک خراب شادی اور خراب سے زیادہ بے جوڑ شادی ہی سمجھتا رہا تھا جس میں ہونے والی غلطیاں ایک طرفہ نہیں ہوسکتی تھیں۔ کہیں نہ کہیں ایک مرد کے طور پر اس کا یہ خیال تھا کہ ساری غلطیاں احسن سعد کی نہیں ہوسکتیں' کچھ خامیاں عائشہ عابدین میں بھی ہوں گی۔۔۔ کہیں نہ کہیں جبریل سکندر یہ جاننے کے بعد کہ احسن سعد کی فیملی بے حد مذہبی تھی' ان کا طرف دار تھا۔ اس کا خیال نہیں اسے یقین تھا کہ وہ اتنے سخت نہیں ہوسکتے جتنا اس نے ان کے بارے میں سنا تھا۔ کہیں نہ کہیں وہ طرف داری اس حافظ قرآن کے لیے بھی رکھتا تھا جو اس کی طرح قرآن جیسی متبرک شے کو اپنے سینے اور ذہن میں رکھتا تھا۔ وہ یہ ماننے پر تیار نہیں تھا کہ جس دل میں قرآن محفوظ کیا گیا ہے' وہ اتنا سخت اور بے رحم ہوسکتا ہے۔ اسے یقین تھا جو بھی کچھ تھا اس میں غلط فہمیوں کا زیادہ قصور ہوگا' بری نیت اور اعمال کی نسبت اور وہ اسی خیال کے ساتھ احسن سعد سے ملنے آیا تھا' اس یقین کے ساتھ کہ وہ اسے سمجھالے گا اور اس جھگڑے کو ختم کروادے گا اور احسن سعد سے مصافحہ کرنے' کافی پینے کے لیے اس میز پر بیٹھنے تک اس کا یہ یقین قائم رہا تھا' جو احسن سعد کی گفتگو کے آغاز کے ساتھ ہی ہوا ہونا شروع ہوگیا تھا۔

"عائشہ نے کبھی مجھ سے آپ کے حوالے سے بات نہیں کی۔"

جبریل نے اس پر نظریں جمائے نرم لہجے میں کہا۔ احسن سعد قہقہہ مار کر ہنسا' جبریل اپنی بات مکمل نہیں کرسکا اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کی گفتگو میں ہنسنے والی کیا بات تھی۔

"میں نہ تو بے وقوف ہوں' نہ ہی بچہ۔" اس نے اپنے قہقہے کے اختتام پر جبریل سے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم بے وقوف ہو اور نہ ہی بچے اور نہ میں ایسا سمجھتا ہوں۔" جبریل نے جواباً "بڑے محتاط انداز میں کہا۔

"تو پھر مجھ سے بچوں جیسا برتاؤ نہ کرو۔" احسن سعد نے ایک بار پھر اس کی بات بیچ میں کاٹتے ہوئے کہا تھا۔ اس کی آواز اب بلند تھی' ماتھے پر بل اور ہونٹ بھینچے ہوئے۔۔۔ اس نے کافی کے اس کپ کو ہاتھ سے دور دھکیل دیا

تھا جس سے کچھ دیر پہلے اس نے ایک گھونٹ لیا تھا۔ کافی چھلک کر میز پر گری تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ اب مٹھیوں کی شکل میں بھینچے ہوئے میز پر تھے' لمحوں میں احسن سعد نے کسی گرگٹ کی طرح رنگ بدلا تھا۔ وہ اب شدید غصے میں نظر آرہا تھا اور جبریل کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان چند جملوں میں 'جن کا تبادلہ ان کے درمیان ہوا تھا' ایسا کیا تھا جس نے اسے ایسا غضب ناک کردیا۔

"تم اس عورت کے Guaranter (ضامن) بنے ہوئے ہو اور تم مجھ سے یہ کہہ رہے ہو کہ اس نے تم سے میرے بارے میں کبھی کچھ نہیں کہا۔" اس کی آواز اب پہلے سے بھی زیادہ بلند ہوگئی تھی' آس پاس کی میزوں پر بیٹھے لوگوں نے گردنیں موڑ کر ان کو دیکھا۔ جبریل نے ایک نظر اطراف میں مڑتی گردنوں کو دیکھا پھر بے حد سرد مہری سے اس سے کہا۔

"اگر تم اس آواز اور انداز میں مجھ سے بات کرنا چاہتے ہو تو میں یہاں ایک منٹ بھی مزید ضائع نہیں کرنا چاہوں گا۔" جبریل نے کہتے ہوئے ایک ہاتھ سے اپنا والٹ جیب سے نکالا اور دوسرے ہاتھ کو فضا میں ذرا سا بلند کرکے ویٹر کو اپنی طرف متوجہ کیا اور اسے بل لانے کا اشارہ کیا۔ احسن سعد کو یک دم ہی احساس ہوا' وہ سامنے بیٹھے ہوئے شخص کو غلط طریقے سے ہینڈل کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

"میں اپنے بیٹے کے قتل کی وجہ سے اس قدر فرسٹریٹڈ ہوں کہ... آئی ایم سوری۔" وہ اگلے ہی لمحے گرگٹ کی طرح ایک بار پھر رنگ بدل گیا تھا۔ اب اس کی آواز ہلکی تھی۔ بھنچی ہوئی مٹھیاں ڈھیلی پڑ گئی تھیں اور وہ ایک ہاتھ سے اپنا ماتھا اور کنپٹیاں رگڑ رہا تھا۔ جبریل نے اس تبدیلی کو بھی اتنی ہی باریکی سے دیکھا تھا جتنی باریکی سے اس نے پہلی تبدیلی دیکھی تھی اور اس نے احسن سعد کی معذرت کو قبول کیا تھا۔

"تم میرے مسلمان بھائی ہو اور میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اس دھوکے سے بچالوں جو میں نے کھایا۔" اس کا اگلا جملہ جبریل کے سر کے اوپر سے گزر گیا تھا۔ احسن سعد اب بے حد نرم اور دھیمے انداز میں بات کررہا تھا' بے حد شائستگی کے ساتھ... جبریل نے ٹوکے بغیر اسے بات کرنے دی۔

"میری بیوی ایک بدکردار عورت ہے... جس طرح اس نے تمہیں الو بنایا ہے اپنی مظلومیت استعمال کرکے... اسی طرح تم سے پہلے درجنوں کو بنا چکی ہے۔ وہ کسی بھی مرد کو منٹوں میں اپنی مٹھی میں کرکے انگلیوں پر نچا سکتی ہے۔" اس کے لہجے میں عائشہ کے لیے اتنا زہر موجود تھا کہ جبریل دم بخود رہ گیا تھا' وہ جن لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا تھا' وہاں طلاق بھی ہوتی تھی' بریک اپ بھی مگر کوئی اپنی بیوی کے بارے میں اس طرح کی گفتگو نہیں کرتا تھا جس طرح کی گفتگو احسن کررہا تھا۔

"میرا عائشہ کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں تھا اور میں سمجھ نہیں پارہا کہ تمہاری باتوں کو الزامات سمجھوں یا غلط فہمی؟" جبریل مداخلت کیے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"یہ حقائق ہیں۔" احسن نے جواباً کہا۔

"جو بھی ہے مجھے ان میں دلچسپی نہیں۔ عائشہ ایک بہت اچھی لڑکی ہے اور میں نے صرف اس لیے اس کی مدد کی کیونکہ اس کی بہن میری کلاس فیلو تھی۔" احسن نے اس کی بات کاٹی "تم اس کی بہن کو جانتے ہوگے اس عورت کو نہیں... اس فاحشہ اور حرافہ کو نہیں..."

"زبان کو لگام دو..." جبریل کا چہرہ اور کانوں کی لویں بیک وقت سرخ ہوئی تھیں' وہ احسن سے اس طرح کے الفاظ کی توقع نہیں کررہا تھا۔

"تم اگر اس عورت کو جانتے ہوتے تو تمہیں ان الفاظ پر کبھی اعتراض نہ ہوتا۔ وہ اس سے زیادہ گندے الفاظ کی مستحق ہے۔" احسن کی زبان ویسے ہی چلتی رہی تھی۔

"وہ تمہاری بیوی رہ چکی ہے' تمہارے ایک بچے کی ماں ہے۔وہ کم از کم تم سے یہ الفاظ ڈیزرو نہیں کرتی۔ بیوی بری ہو سکتی ہے' ماں بھی ۔۔۔ مگر عورت کی عزت ہوتی ہے نا۔۔۔ اتنی عزت تو دکھاؤ اس کے لیے۔" جبریل بے حد ٹھنڈے مزاج کا تھا' لیکن جو "گفتگو" وہ سن رہا تھا وہ اس جیسے ٹھنڈے مزاج کے شخص کو کھولانے کے لیے بھی کافی تھی۔

"جو عورت بیوی رہ چکی ہو' اس کی کیا عزت' احسن سعد نے جواب نہیں دیا تھا' اپنی ذہنیت کو اس کے سامنے ننگا کر کے رکھ دیا تھا۔

"Then I Pity on You" مجھے تم پر ترس آرہا ہے۔
اور اس عورت پر بھی جو تمہاری بیوی رہی۔" جبریل نے بے حد سرد لہجے میں اس سے کہا تھا' اسے اندازہ ہو گیا تھا وہ غلط شخص کو سمجھانے بیٹھا تھا۔

"اس سے تمہارا کوئی رشتہ نہیں پھر تمہیں کیوں تکلیف ہو رہی ہے؟" احسن سعد نے جواباً" اسے ایک جھلسانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔ "تم اسے جانتے ہی کتنا ہو کہ ایک شوہر کی رائے کو رد کر رہے ہو؟"

"میں اسے سولہ سال کی عمر سے جانتا ہوں' اسے بھی۔۔۔ اس کی فیملی کو بھی۔۔۔ اور وہ ایک بہت اچھی لڑکی تھی اور ہے۔۔۔"

احسن سعد کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزرا تھا۔

"سو آئی واز رائٹ' اٹ واز این اولڈ افیئر۔" (اس کا مطلب ہے میں ٹھیک سمجھا تھا۔یہ ایک پرانا افیئر ہے)

"شٹ اپ۔ یو آر سک۔" (بکواس بند کرو' پاگل ہو تم۔)

جبریل کو اب اپنے سر میں درد محسوس ہونے لگا تھا۔ اسے لگ رہا تھا وہ تھوڑی ہی دیر میں احسن سعد کے ساتھ اسی کی طرح گالم گلوچ پر اتر آئے گا۔۔۔ وہ شخص کسی کو بھی مشتعل کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ کسی کو بھی پاگل کر سکتا تھا۔

"تم مجھ سے کس لیے ملنے آئے ہو؟" جبریل نے اس بل جیکٹ کے اندر بل کی رقم رکھتے ہوئے بے حد بے زاری سے کہا جو ویٹر بہت پہلے رکھ کر گیا تھا' یہ جیسے احسن سعد کے لیے اشارہ تھا کہ وہ وہاں سے جانا چاہتا ہے۔

"میں تمہیں صرف اس عورت کے بارے میں بتانے آیا تھا کہ۔۔۔" جبریل نے بے حد درشتی سے اس کی بات کاٹی "اور میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں اس کے یا اس کے کردار کے بارے میں کچھ بھی سننے میں۔۔۔ بالکل بھی انٹرسٹڈ نہیں ہوں کیونکہ وہ کیا ہے' کیسی ہے' یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔"

"پھر تم اس عورت کو سپورٹ کرنا بند کرو۔" احسن سعد نے جواباً" اس سے کہا تھا۔

"میں اسے اس لیے سپورٹ کر رہا ہوں کیونکہ کوئی ماں اپنی اولاد کو نہیں مار سکتی۔۔۔ لاپروا تھی تب بھی اس لاپروائی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اس اولاد کو مارنا چاہتی تھی اور اس کے خلاف قتل کا کیس کر دیا جائے۔" جبریل اب بے حد درشت ہو رہا تھا۔ یہ شاید احسن کا رویہ تھا' جس نے اس کا سارا لحاظ منٹوں میں غائب کر دیا تھا۔

"تم پہلے یہ طے کرو کہ تمہیں عائشہ سے نفرت ہے کیوں؟ اس کے عورت ہونے کی وجہ سے؟ بیوی ہونے کی وجہ سے؟ ہلکے کردار کی ہونے کی وجہ سے یا اپنے بیٹے کو مارنے کے شبہ کی وجہ سے۔۔۔ تم بیٹھ کر پہلے طے کرو کہ تمہاری اتنی گہری نفرت کی وجہ ہے کیا؟" جبریل اس سے کہتا گیا تھا۔

"یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔" احسن سعد نے درشتی سے کہا۔ "میں تم سے سائیکالوجی پڑھنے نہیں آیا۔"

جبریل نے سر ہلایا۔ "آئیگز یکٹلی۔ میں بھی تم سے اخلاقیات پڑھنے نہیں آیا۔ تم مسلمان ہو، بہت اچھی طرح جانتے ہو کہ جس عورت کو طلاق دے دی گئی ہو اس کے حوالے سے کیا ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں اور اس میں کم از کم یہ ذمہ داری شامل نہیں ہے کہ تم ہر مرد کے سامنے بیٹھ کر اس پر کیچڑ اچھالو۔"

"تم مجھے میرا دین سکھانے کی کوشش مت کرو۔" احسن سعد نے اس کی بات کاٹ کر بے حد تنفر سے کہا تھا۔ "میں حافظ قرآن ہوں اور تبلیغ کرتا ہوں۔ درجنوں غیر مسلموں کو مسلمان کر چکا ہوں۔ تم مجھے یہ مت جتاؤ کہ میرا دین مجھ پر عورتوں کے حوالے سے کیا ذمہ داری عائد کرتا ہے اور کیا نہیں۔ تم اپنے دین کی فکر کرو کہ ایک نامحرم عورت کے ساتھ افیئر چلا رہے ہو اور مجھ سے کہہ رہے ہو کہ میں اپنی سابقہ آوارہ بیوی کی شان میں قصیدے پڑھوں۔"

وہ بات نہیں کر رہا تھا۔ زہر اگل رہا تھا۔ وہ جبریل کی زندگی میں آنے والا پہلا تبلیغی تھا جس کی زبان میں جبریل نے مٹھاس کی جگہ کڑواہٹ دیکھی تھی۔

"تمہاری تصویریں میں نے شادی کے بعد بھی اس کے لیپ ٹاپ میں دیکھی تھیں اور تب اس نے کہا تھا تم اس کی بہن کے دوست ہو، تمہارا اور اس کا کوئی تعلق نہیں، لیکن میں غلط نہیں تھا، میرا شک ٹھیک تھا۔ کوئی لڑکی بہن کے بوائے فرینڈ کی تصویریں اپنے لیپ ٹاپ میں جمع کر کے نہیں رکھتی۔" احسن سعد کہہ رہا تھا اور جبریل دم بخود تھا۔ "اور آج تم نے بتا دیا کہ یہ افیئر کتنا پرانا تھا۔۔۔ اسی لیے تو اس عورت نے جان چھڑائی ہے میرے بیٹے کو مار کر۔"

اس کی ذہنی حالت اس وقت جبریل کو قابل رحم لگ رہی تھی۔ اتنی قابل رحم کہ وہ بے اختیار کہنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"احسن! اس نے تمہارے بیٹے کو نہیں مارا۔۔۔ وہ سرجری میں ہونے والی ایک غلطی سے مارا گیا۔" اس کی زبان سے وہ نکلا تھا جو شاید اس کے لاشعور میں تھا اور جس سے وہ خود نظریں چراتا پھر رہا تھا۔ احسن کو اس کا جملہ سن کر کرنٹ لگا تھا اور جبریل پچھتایا تھا۔۔۔ وہ ایک برا دن تھا اور اس برے دن کا وہ ایک وہ بد ترین وقت تھا۔

"تم کیسے جانتے ہو یہ؟" احسن نے سرسراتی ہوئی آواز میں اس سے کہا تھا۔

"کیونکہ میں اس آپریشن ٹیم کا حصہ تھا۔" اس بار جبریل نے سوچ سمجھ کر کہا تھا۔ بد ترین انکشاف وہ تھا جو ہو چکا تھا، اب اس کے بعد کی تفصیلات کا پتا چلنا یا نہ چلنا بے معنی تھا۔ احسن دم سادھے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ ساکت، پلکیں جھپکائے بغیر اس کے چہرے کا رنگ سانولا تھا سرخ یا زرد۔۔۔ چند لمحوں کے لیے جیسے جبریل کے لیے یہ طے کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

"وہ سرجری میں نے نہیں کی تھی احسن۔۔۔ میں اسسٹ کر رہا تھا ڈاکٹر ویزل کو۔۔۔ اور مجھے یہ بھی یقین نہیں ہے کہ سرجری میں واقعی کوئی غلطی ہوئی تھی یا وہ میرا وہم تھا۔"

جبریل نے اس کے سامنے جیسے وضاحت کرنے کی کوشش کی تھی۔ احسن سعد وہاں اسے عائشہ عابدین سے بدگمان کرنے آیا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اسے جواباً "جبریل سے کیا پتا چلنے والا تھا۔

وہ یک دم اٹھا اور وہاں سے چلا گیا تھا۔ جبریل سکندر وہاں بیٹھا رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو، بیک ان یو ایس اے۔" صبح سویرے اپنے فون کی اسکرین پر ابھرنے والی اس تحریر اور بھیجنے والے کے نام نے رئیسہ کو چند لمحوں کے لیے ساکت کیا تھا۔ اس کے باوجود کہ وہ یہ توقع کر رہی تھی کہ وہ واپس آنے کے بعد

اس سے رابطہ ضرور کرے گا۔ حالات جو بھی تھے' ان دونوں کے درمیان بہرحال ایسا کچھ نہیں ہوا تھا کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے چھپنا پڑتا۔ "ویلکم بیک" کا ٹیکسٹ اسے بھیجتے ہوئے رئیسہ نے ایک بار پھر خود کو یاد دلایا تھا کہ زندگی میں ہونے والے اس پہلے بریک اپ کو اس نے دل پر نہیں لینا تھا۔ اور بار بار خود کو کرائی جانے والی یاددہانی ضروری تھی۔ درد ختم نہیں ہو رہا تھا' لیکن کم ضرور ہوتا تھا۔ کچھ دیر کے لیے تھمتا ضرور تھا۔

"یونیورسٹی جا رہی ہو؟" وہ نہا کر نکلی تو اس نے فون پر ہشام کا اگلا ٹیکسٹ دیکھا۔ اس نے ہاں کا جوابی ٹیکسٹ کرتے ہوئے اسے اپنے ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی۔

"ملیں؟" اگلا ٹیکسٹ فورا" آیا تھا۔ وہ کارن فلیکس کھاتے ہوئے میز پر پڑے فون پر چمکتے اس سوال کو دیکھتی رہی۔ کہنا چاہتی تھی۔ "اب کیسے؟" مگر لکھا تھا۔

"نہیں میں مصروف ہوں۔" کارن فلیکس حلق میں اٹکنے لگا تھا' وہ اب اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ دل سنبھالنے کی ساری کوششوں کے باوجود اس کا سامنا مشکل ترین تھا۔ وہ روایتی لڑکی نہیں بننا چاہتی تھی۔ نہ گلے شکوے کرنا چاہتی تھی' نہ طنز۔ نہ جھگڑا۔ اور نہ ہی اس کے سامنے رونا۔ وہ بحرین بہرحال اس لیے نہیں گیا تھا کہ بچھڑ جاتا۔

فون کی اسکرین پر جوابا" ایک منہ چڑاتی تصویر آئی تھی یوں جیسے اس کے بہانے کا مذاق اڑا رہی ہو۔ رئیسہ نے اسے اگنور کیا اور اسے جوابا" کچھ نہیں بھیجا۔

پندرہ منٹ بعد اس نے اپنے اپارٹمنٹ سے باہر نکلنے پر گاڑی سمیت اسے وہاں پایا تھا۔ وہ شاید وہیں بیٹھے ہوئے اسے ٹیکسٹ بھیج رہا تھا' ورنہ اتنی جلدی وہ وہاں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اسے سرپرائز دینا اچھا لگتا تھا اور رئیسہ کو یہ سرپرائز لینا۔ مگر یہ کچھ دن پہلے کی بات تھی۔

وہ اس کے بلائے بغیر اس کی طرف آئی تھی' دونوں کے چہروں پر ایک دوسرے کو دیکھ کر خیر مقدمی مسکراہٹ ابھری' حال احوال پوچھا گیا' اس کے بعد رئیسہ نے اس سے کہا۔

"مجھے آج یونیورسٹی ضرور جانا ہے۔ کچھ کام ہے۔"

ہشام نے جوابا" کہا۔ "میں ڈراپ کر دیتا ہوں اور ساتھ کچھ گپ شپ بھی لگالیں گے۔ بڑے دن ہوگئے ہمیں ملے اور بات کیے۔"

رئیسہ نے اس سے نظریں چرالی تھیں۔ مزید کچھ بھی کہے بغیر وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی ہشام نے اس کی طرف مڑتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"کیا؟" رئیسہ نے انجان بننے کی کوشش کی۔ یہ کہنا کہ میں ناخوش ہوں' دل شکستہ ہوں' کیونکہ تم مجھے امیدیں دلاتے دلاتے کسی اور لڑکی کو اپنی زندگی میں لے آئے ہو۔ یہ سب کم از کم رئیسہ کی زبان پر نہیں آسکتا تھا۔

"تمہارا موڈ آف ہے؟" وہ اب بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔ موڈ کیوں آف ہوگا؟" رئیسہ نے جوابا" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"پتا نہیں' یہی تو جاننا چاہتا ہوں۔" وہ الجھا ہوا تھا۔ "تم کچھ دنوں سے مکمل طور پر غائب ہو میری زندگی سے۔ بحرین سے بھی رابطہ کرنے کی کوشش کی' لیکن تم کال ریسیو نہیں کرتیں' نہ ہی میسجز کا جواب دیتی ہو۔ ہوا کیا ہے؟"

"تمہیں کیا لگتا ہے' کیا وجہ ہو سکتی ہے میرے اس رویے کی؟" رئیسہ نے جوابا" اس سے پوچھا۔

"مجھے نہیں پتا۔" ہشام نے ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد کہا تھا۔

"میں اب یہ سب ختم کرنا چاہتی ہوں۔" رئیسہ نے اس سے کہا۔

وہ چونکا نہیں' اسے دیکھتا رہا پھر سر جھٹک کر بولا۔

"یعنی میرا اندازہ ٹھیک ہے' تمہارا موڈ واقعی آف ہے۔" رئیسہ نے اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اپنے بیگ سے انگوٹھی کی وہ ڈبیا نکالی اور گاڑی کے ڈیش بورڈ پر رکھ دی' ہشام کچھ بول نہ سکا۔ گاڑی میں خاموشی رہی' پھر ہشام نے کہا۔

"تم نے انگیجمنٹ کی خبر پڑھ لی ہے؟"

"اس سے بھی پہلے مجھے یہی خدشہ تھا' اس لیے اس خبر سے میں حیران نہیں ہوئی۔" رئیسہ نے مدھم آواز میں اس سے کہا' بڑے ٹھنڈے انداز میں جس سے وہ ہمیشہ پہچانی جاتی تھی۔

"میں نے تم سے ایک کمٹمنٹ کی تھی رئیسہ! اور میں اپنا وعدہ نہیں توڑوں گا۔ نیوز پیپر میں آنے والی ایک خبر ہم دونوں کے درمیان دیوار نہیں بن سکتی' اتنا کچا رشتہ نہیں ہے یہ۔" ہشام بڑی سنجیدگی سے کہتا گیا تھا۔

"نیوز پیپر کی خبر کی بات نہیں ہے ہشام! تمہاری فیملی کے فیصلے کی بات ہے۔۔۔ تم اب ولی عہد ہو۔۔۔ تمہاری ذمہ داریاں اور تم سے رکھی جانے والی توقعات اور ہیں۔۔۔"

وہ اس کی بات پر ہنسا تھا۔

"ولی عہد۔۔۔ میں ابھی تک نہ اپنے اس رول کو سمجھ پایا ہوں اور نہ ہی یہ اندازہ لگا پا رہا ہوں کہ میں اس منصب کے لیے اہل ہوں بھی یا نہیں۔۔۔ یہ پاور پالٹکس ہے۔۔۔ آج جس جگہ پر ہم ہیں۔۔۔ کل ہوں گے بھی یا نہیں۔۔۔ کوئی یقینی بات نہیں۔۔۔ اگر مجھے فیصلہ کرنا ہوتا تو میں کبھی یہ عہدہ نہ لیتا' مگر یہ میرے باپ کی خواہش ہے۔" وہ اب سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

رئیسہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "غلط خواہش نہیں ہے۔۔۔ کون ماں باپ نہیں چاہیں گے' اپنی اولاد کے لیے ایسا منصب۔۔۔ تم خوش قسمت ہو' تمہیں ایسا موقع ملا ہے۔" وہ مدھم آواز میں کہتی گئی۔

"پہلے میں بھی یہی سمجھتا تھا۔" ہشام نے جواباً" کہا۔ "لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ ہر چیز کی ایک قیمت ہوتی ہے۔ کوئی بھی چیز لاٹری میں نہیں ملتی۔ یہ ضروری ہے ولی عہد کے لیے کہ وہ ایک شادی شاہی خاندان میں کرے وہ بھی پہلی' میری اور تمہاری شادی ہو چکی ہوتی تو اور بات تھی' لیکن اب نہیں ہو سکتا کہ میں شاہی خاندان میں شادی سے انکار کروں۔ جنہوں نے میرے باپ کی بادشاہت کا فیصلہ کیا ہے' انہوں نے ہی یہ فیصلہ بھی کیا ہے۔ مجھ سے اس بارے میں رائے نہیں لی گئی' مجھے بتایا گیا تھا۔" وہ خاموش ہوا۔

"میں اندازہ کر سکتی ہوں اور اسی لیے تم سے کوئی شکایت نہیں کر رہی۔۔۔ میرے اور تمہارے درمیان ویسے بھی کون سے عہد و پیمان ہوئے تھے کہ میں تم کو کسی بات کے لیے الزام دوں۔۔۔ اسی لیے ختم کرنا چاہتی ہوں خود یہ سب کچھ' تاکہ تم اگر کوئی obligation محسوس کر رہے ہو تو نہ کرو۔۔۔ اور میں ہرٹ نہیں ہوں۔" اس نے بات ختم کی' توقف کیا پھر آخری جملہ بولا۔

"تم ہوئی ہو' میں جانتا ہوں اور میں نادم بھی ہوں۔" ہشام نے اس کی بات کے اختتام پر کہا۔ "اور میں یہ سب ختم نہیں کرنا چاہتا' نہ ہی میں تم سے اس لیے ملنے آیا ہوں۔ رئیسہ! میں تم سے بھی شادی کروں گا اور یہ بات میں نے اپنی فیملی کو بتا دی ہے اور انہیں اعتراض نہیں ہے۔"

وہ اس کی بات پر بے اختیار ہنسی اور ہنستی ہی چلی گئی' اتنا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"حمین بالکل ٹھیک کہتا تھا۔ پتا نہیں اس کی زبان کالی ہے یا وہ ضرورت سے زیادہ عقل مند ہے۔" وہ اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے بولی۔

ہشام پوچھے بغیر نہیں رہ سکا۔ "وہ کیا کہتا ہے؟"

"یہی جو تم ابھی کہہ رہے ہو۔۔۔ دوسری شادی۔ وہ کہتا ہے کہ بادشاہ حرم رکھتے ہیں اور حرم کی ملکہ بھی کنیز ہی ہوتی ہے۔"

ہشام کچھ دیر کے لیے بول نہیں سکا' یوں جیسے لفظ ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہو' پھر اس نے جیسے مدافعانہ انداز میں کہا۔

"عربوں میں ایسا نہیں ہوتا' اگر بادشاہ کی چار بیویاں بھی ہوں تو بھی۔۔۔"

رئیسہ نے بڑی نرمی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "مجھے کسی بادشاہ سے شادی کرنے کی خواہش نہیں تھی' میں ہشام سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ تمہاری مجبوری ہوسکتی ہے ایک سے زیادہ شادیاں کرنا' میری مجبوری نہیں ہے۔ میں محبت کرتی ہوں' لیکن دل کے ہاتھوں اتنی مجبور نہیں ہوں کہ تمہارے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچ ہی نہ سکوں۔"

اس کے لہجے میں وہی حقیقت پسندی تھی جس کے لیے ہشام اس کو پسند کرتا تھا مگر آج پہلی بار وہ عقل' وہ سمجھ بوجھ اسے بری لگی تھی۔

"اتنا کمزور رشتہ تو نہیں ہے ہمارا رئیسہ۔" اس نے رئیسہ کی بات کے جواب میں کہا۔

"میرا بھی یہی خیال تھا کہ بہت مضبوط ہے' لیکن میرا خیال غلط تھا۔ میری ممی کبھی بھی ایسی شادیوں کے حق میں نہیں تھیں اور میں سمجھتی تھی یہ bias ہے۔۔۔ لیکن آج مجھے احساس ہوا ہے کہ وہ ٹھیک کہتی ہیں۔۔۔ تہذیب کا فرق بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔" رئیسہ کہہ رہی تھی۔ "کبھی بھی بہت بڑا مسئلہ بن سکتا ہے جیسے ابھی ہوا۔۔۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ یہ سب پہلے ہوگیا ہے۔۔۔ بعد میں ہوتا تو۔۔۔" وہ رکی' ہشام نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی۔

"میں تمہاری ممی سے متفق نہیں ہوں۔ محبت کا رشتہ ہر فرق سے بڑا اور طاقت ور ہوتا ہے۔"

"مانتی ہوں' لیکن وہ تب ہوتا ہے جب مرد کی محبت میرے بابا جیسی پیور ہو اور وہ میرے بابا کی طرح اپنے فیصلے پر قائم رہ سکے۔" رئیسہ نے کہا۔ اس نے سالار سکندر کا حوالہ دیا تھا' اگر محبت کے بارے میں اسے کوئی ریفرنس یاد تھا تو وہ اپنے ماں باپ کی آپس میں محبت ہی کا تھا اور وہ حوالہ ہشام نے بہت بار سنا تھا' لیکن آج پہلی بار اس نے ہشام کا موازنہ سالار سکندر سے کیا تھا اور علی الاعلان کیا تھا۔

"میں بھی اپنی محبت میں بہت کھرا ہوں اور تمہارے لیے لڑسکتا ہوں۔" اس نے رئیسہ سے کہا تھا۔ اس کا وہ حوالہ اور موازنہ اسے پہلی بار شدید برا لگا تھا۔ وہ پچھلے کئی ہفتوں سے۔ بحرین میں سر اور آنکھوں پر بٹھایا جارہا تھا اور یہاں وہ اسے ایک "عام آدمی" کے سامنے چھوٹا گردان رہی تھی۔

"ہاں تم ہو محبت میں کھرے' لیکن تم لڑ نہیں سکتے ہشام! نہ مجھے زندگی میں شامل کرنے کے لیے' نہ ہی مجھے اپنی زندگی میں رکھنے کے لیے۔" رئیسہ نے اب گاڑی کا دروازہ کھول لیا تھا۔

"میں پھر بھی اپنے ماں باپ کو تمہارے ماں باپ کے پاس رشتے کے لیے بھیجوں گا اور یہ وقت بتائے گا کہ میں تمہارے لیے لڑسکتا ہوں یا نہیں۔" گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے رئیسہ نے اسے کہتے سنا تھا۔ اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ پیچھے کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے ہشام کے جملے کو سنتے ہوئے سوچا تھا۔

٭ ٭ ٭

وہ ایک ہفتہ جبریل سکندر کے لیے عجیب ذہنی انتشار لایا تھا۔ احسن سعد ایک بے حد ڈسٹرب کر دینے والی شخصیت رکھتا تھا اور وہ اسے بھی ڈسٹرب ہی کر کے گیا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کے اسفند کی سرجری سے متعلقہ انکشاف پر اب وہ کیا ردعمل ظاہر کرے گا۔ جس بات کا اسے خدشہ تھا' وہ اس کیس میں کسی بھی حوالے سے اپنی نامزدگی تھی' جو وہ نہیں چاہتا تھا۔ ایک ڈاکٹر کے طور پر اپنے کیریر کے اس اسٹیج پہ اپنے پروفیشن سے متعلقہ کسی اسکینڈل یا کیس کا حصہ بننا اپنے کیریر کی تباہی کے مترادف تھا' لیکن اب اس پر پچھتانے کا فائدہ نہیں تھا۔ جو ہونا تھا' وہ ہو چکا تھا اور اسی ہفتے بے حد سوچ بچار کے بعد اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ عائشہ کو بھی اس سرجری کے حوالے سے وہ سب کچھ بتا دے گا' جو وہ احسن سعد کو بتا چکا تھا۔ ان حالات میں ایسا کرنا بے حد ضروری ہو گیا تھا۔

اس نے ہفتے کی رات کو اسے فون کیا تھا' فون بند کیا۔۔۔ جبریل نے اس کے لیے پیغام چھوڑا تھا کہ وہ اسے کال بیک کرے' آدھے گھنٹے کے بعد اس نے عائشہ کا نام اپنی اسکرین پر چمکتا دیکھا۔

کال ریسیو کرنے کے بعد ان کے درمیان حال احوال کے حوالے سے چند سیکنڈز کی گفتگو ہوئی' پھر جبریل نے اس سے اگلے دن ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔

"کس لیے ملنا چاہتے ہیں آپ؟" عائشہ نے بے تاثر انداز میں اس سے پوچھا تھا۔

"یہ بات میں آپ کو سامنے بیٹھ کر ہی بتا سکتا ہوں۔" اس نے جواباً" کہا تھا۔ وہ چند لمحے خاموش رہی پھر اس نے پوچھا کہ وہ کس وقت اس سے ملنا چاہتا ہے۔

"کسی بھی وقت جب آپ کے پاس وقت ہو۔" اس نے جواباً" کہا تھا۔

"گیارہ' بارہ بجے؟" عائشہ نے چند لمحے سوچ کر اس سے کہا۔

"ڈن۔" اس نے جواباً" کہا اور عائشہ عابدین نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

جبریل فون ہاتھ میں لیے اگلا جملہ سوچتا ہی رہ گیا۔ احسن سعد نے اس سے کہا تھا اس نے عائشہ عابدین کے لیپ ٹاپ میں اس کی تصویریں دیکھی تھیں' جبریل کو یاد نہیں پڑتا تھا اس کے اور عائشہ کے درمیان کبھی تصویروں کا تبادلہ ہوا ہو اور تصویروں کا کوئی تبادلہ تو اس کے اور نساء کے درمیان بھی نہیں ہوا تھا' لیکن نساء کے پاس اس کے گروپ فوٹوز ضرور تھے۔۔۔ مگر عائشہ ان تصویروں کو اپنے پاس اس طرح الگ کیوں رکھے ہوئے تھی۔ وہ گروپ فوٹوز ہوتے تو احسن سعد اس میں سے صرف جبریل کو پہچان کر اس پر اعتراض نہ کرتا' یقیناً" عائشہ کے پاس اس کی کچھ الگ تصویریں بھی تھیں اور وہ تصویریں وہ کہاں سے لے سکتی تھی۔۔۔؟ یقیناً" فیس بک سے جہاں وہ اس زمانے میں اپنی تصویریں باقاعدگی سے اپ لوڈ کیا کرتا تھا اور اس سے بھی بڑھ کر حمین۔۔۔ وہ اس کے بارے میں بہت سوچنا نہیں چاہتا تھا' لیکن سوچتا چلا گیا۔ احسن سعد سے ملاقات کے بعد عائشہ عابدین کے لیے اس کی ہمدردی میں دس گنا اضافہ ہو گیا تھا۔

وہ اگلے دن ٹھیک وقت پر اس کے اپارٹمنٹ کے باہر کھڑا تھا اور پہلی بیل پر ہی عائشہ عابدین نے دروازہ کھول دیا تھا۔ وہ شاید پہلے ہی اس کی منتظر تھی۔ سیاہ ڈھیلے پاجامے اور ایک بلوئی شرٹ کے ساتھ فلپ فلاپس پہنے' اپنے بالوں کو ایک ڈھیلے جوڑے کی شکل میں سمیٹے' وہ جبریل کو پہلے سے بہتر لگی تھی۔ اس کی آنکھوں کے حلقے بھی کم تھے۔ وہ بے حد خوب صورت تھی اور سولہ سال کی عمر میں بھی اس پر سے نظریں ہٹانا مشکل ہوتا تھا۔ اس کا چہرہ اب بھی کسی کی نظروں کو جکڑ سکتا تھا۔ جبریل کو احساس ہوا۔

"وعلیکم السلام۔" وہ اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے دروازے کے سامنے سے ہٹ گئی۔ اس نے جبریل

کے ہاتھوں میں اس چھوٹے سے گلدستے کو دیکھا جس میں چند سفید اور گلابی پھول تھے اور اس کی ساتھ ایک کوکیز کا پیکٹ۔ اس کا خیال تھا وہ دونوں چیزیں اسے تھمائے گا لیکن وہ دونوں چیزیں اٹھائے اندر چلا گیا تھا۔
کچن کاؤنٹر پر اس نے پہلے پھول رکھے، پھر کوکیز کا وہ پیکٹ اور پھر وہاں پڑے کافی کے اس مگ کو دیکھا جس میں سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ وہ یقیناً اس کے آنے سے پہلے اسے پی رہی تھی۔ ایک پلیٹ میں آدھا آملیٹ تھا اور چند چکن ساسیجز۔۔۔ وہ ناشتا کرتے کرتے اٹھ کر گئی تھی۔
"میں بہت جلدی آگیا ہوں شاید؟" جبریل نے پلٹ کر عائشہ کو دیکھا جو اب اندر آگئی تھی۔
"نہیں، میں دیر سے جاگی ہوں۔۔۔ آج سنڈے تھا اور رات کو اسپتال میں ڈیوٹی تھی۔" اس نے جواباً جبریل سے کہا۔
"آپ کا سنڈے خراب کردیا میں نے۔" جبریل نے مسکراتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ وہ اب لاؤنج میں پڑے صوفے پر جاکر بیٹھ گیا تھا۔ عائشہ کا دل چاہا اس سے کہے۔۔۔ اس کی زندگی میں ہر دن پہلے ہی بہت خراب تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی اور کچن کاؤنٹر کی طرف چلی گئی۔
"یہ آپ میرے لیے لائے ہیں؟" جبریل نے اسے پھول اٹھاتے ہوئے دیکھا۔
"جی!" اس نے جواباً کہا۔
"اس کی ضرورت نہیں تھی۔" اس نے جبریل کو دیکھا، پھر انہیں ایک گل دان میں لگانے لگی۔
"یہ بھی جانتا ہوں۔" جبریل نے کہا۔ ان پھولوں کو اس گل دان میں لگاتے ہوئے عائشہ کو خیال آیا کہ وہ شاید دو ڈھائی سال کے بعد اپنے لیے کسی کے لائے ہوئے پھولوں کو چھو رہی تھی۔ آخری بار اس کے گھر آنے والے پھول اسفند کے لیے اس کے کچھ عزیز و اقارب کے لائے ہوئے پھول تھے۔ اس نے ان تکلیف دہ یادوں کو جیسے سر سے جھٹکنے کی کوشش کی۔
"آپ بریک فاسٹ کریں، ہم پھر بات کرتے ہیں۔" جبریل کی آواز نے اسے چونکایا۔ وہ سینٹر ٹیبل پر پڑی اون کی سلائیاں اٹھا کر دیکھ رہا تھا۔۔۔ بے حد دلچسپی کے ساتھ۔
"یہ آپ کا شوق ہے؟" اس نے اسکارف کے اس حصے کو چھوتے ہوئے کہا، جو ادھ بنا تھا۔
"وقت گزارنے کی ایک کوشش ہے۔" آملیٹ کی پلیٹ سے آملیٹ کا ایک ٹکڑا کانٹے کی مدد سے اٹھاتے ہوئے عائشہ نے جواب دیا۔
"اچھی کوشش ہے۔" جبریل نے مسکراتے ہوئے اون کی سلائیوں کو دوبارہ اس باکس میں رکھا جس میں وہ پڑے تھے۔
"آپ یہ کافی لے سکتے ہیں۔ میں نے ابھی بنائی تھی، پی نہیں۔۔۔ میں اپنے لیے اور بنا لیتی ہوں۔" اس نے کافی کا مگ لاکر اس کے سامنے ٹیبل پر پڑے ایک میٹ پر رکھ دیا تھا، وہ خود دوبارہ ناشتا کرنے کچن کاؤنٹر کے پاس پڑے اسٹول پر جاکر بیٹھ گئی تھی۔
"میرا خیال تھا آپ مجھے ناشتے کی بھی آفر کریں گی۔" جبریل نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔
"میں نے اس لیے آفر نہیں کی کیونکہ آپ قبول نہیں کرتے۔" اس نے ساسیجز کے ٹکڑے کرتے ہوئے جواباً کہا۔
"ضروری نہیں۔" جبریل نے اصرار کیا۔
"آپ ناشتا کریں گے؟" ٹھک سے اس سے پوچھا گیا۔
"نہیں۔۔۔" جبریل نے کہا اور پھر بے ساختہ ہنسا۔ "میں ناشتا کرکے آیا ہوں، اگر پتا ہوتا کہ آپ کرواسکتی ہیں تو

نہ کر کے آتا۔ Assumptions بڑی نقصان دہ ہوتی ہیں۔" اس نے کہا' عائشہ خاموشی سے اس کی بات سنتے ہوئے ناشتا کرتی رہی۔

"میں آپ کی کال کا انتظار کرتا رہا تھا۔ اس توقع کے باوجود کہ آپ کال نہیں کریں گی۔" جبریل نے اس سے کہا۔ وہ کافی کے گھونٹ لے رہا تھا۔

عائشہ نے چکن سامبوز کا آخری ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے اسے دیکھا۔ اسے ایک کاغذ پر لکھا ہوا سوری کا وہ لفظ یاد آگیا تھا جو وہ اسے ایک لفافے میں دے کر گیا تھا اور جسے دیکھ کر وہ بے حد الجھی تھی۔ وہ اس سے کس بات کے لیے معذرت خواہ تھا۔ کس چیز کے لیے شرمندگی کا اظہار کر رہا تھا۔ لاکھ کوشش کے باوجود کوئی وضاحت کوئی توجیہہ ڈھونڈنے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی اور اتنا الجھنے کے باوجود اس نے جبریل کو فون کر کے اس ایک لفظ کی وضاحت نہیں مانگی تھی۔ وہ اس شخص سے راہ و رسم بڑھانا نہیں چاہتی تھی۔ بار بار اس سے بات کرنا' اس سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔ ہر بار اس کی آواز' اس سے ملاقات' عائشہ عابدین کو پتا نہیں کیا کیا یاد دلانے لگتا تھا۔ کیسا کیسا پچھتاوا اور احساس زیاں تھا جو اسے ہونے لگتا تھا اور عائشہ اپنے ماضی کے اس حصے میں نہیں جانا چاہتی تھی جہاں جبریل سکندر کھڑا تھا۔ وہ اس باب کو بند کر چکی تھی۔

جبریل نے اسے کچن کاؤنٹر کے پار اسٹول پر بیٹھے اپنی خالی پلیٹ پر نظریں جمائے کسی گہری سوچ میں دیکھا' اس نے جبریل کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا یوں جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ جبریل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس سے جو کہنے آیا تھا' وہ کیسے کہے گا۔ اس وقت اس نے بے اختیار یہ خواہش کی تھی کہ کاش اس نے اس سرجری کے دوران ڈاکٹر ویزل کی وہ غلطی دیکھی ہی نہ ہوتی۔

"آپ کا وزیٹنگ کارڈ مجھ سے کھو گیا تھا۔ مجھے یاد نہیں' وہ میں نے کہاں رکھ دیا تھا۔" وہ بولی تھی اور اس نے بے حد عجیب ایکسکیوز کی تھی۔ یعنی وہ اسے یہ بتانا چاہ رہ تھی کہ اس نے جبریل کا نمبر محفوظ نہیں کیا ہوا تھا۔

کچھ کہنے کے بجائے جبریل نے اپنی جیب سے والٹ نکال کر ایک اور وزیٹنگ کارڈ نکالا اور اسے اون سلائیوں کے اس ڈبے میں رکھتے ہوئے کہا۔ "یہاں سے گم نہ ہو شاید۔" عائشہ نے نظریں چرالی تھیں۔ وہ پلیٹیں اٹھاتے ہوئے انہیں سنک میں رکھ آئی۔

"آپ مجھ سے کچھ بات کرنا چاہتے تھے۔" اپنے لیے کافی بناتے ہوئے اس نے بالآخر جبریل کو بات یاد دلائی جس کے لیے وہ یہاں آیا تھا۔

"احسن سعد مجھ سے ملنے آیا تھا۔" کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد جبریل نے اس سے کہا۔ اس کا خیال تھا وہ بری طرح چونکے گی۔

"میں جانتی ہوں۔" وہ انتہائی غیر متوقع جواب تھا۔ جبریل چند لمحے بول نہیں سکا۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ وہ کافی کو اس انہماک سے بنا رہی تھی جیسے اس کی زندگی کا مقصد کافی کا وہ کپ بنانا ہی تھا۔

"اس نے مجھے کال کی تھی۔" اس نے جیسے جبریل کی خاموشی کو سمجھتے ہوئے مزید کہا۔

جبریل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اب کیا کہے۔ اگر احسن سعد نے اسے کال کی تھی' جبریل سے ملاقات کے بعد تو یہ ممکن نہیں تھا کہ اس نے عائشہ کو اسفند کی سرجری کے حوالے سے اس کے اعتراف کے حوالے سے کچھ نہ کہا ہو۔ اور اگر اس نے عائشہ سے ذکر کیا تھا تو عائشہ اس وقت اتنے پرسکون انداز میں اس کے سامنے کیسے بیٹھی رہ سکتی تھی۔ احسن سعد نے جبریل کے کام کو مشکل سے آسان کر دیا تھا' مگر اب اس کے بعد اگلا سوال جبریل کو سوجھ نہیں رہا تھا۔

وہ اب اپنا کافی کا مگ لیے اس کے سامنے صوفے پر آکر بیٹھ گئی تھی۔

"اب آپ کو یہ تو پتا چل گیا ہو گا کہ میں کتنی گناہ گار اور قابل نفرت ہوں۔"
عائشہ عابدین کے لہجے میں عجیب اطمینان تھا' یوں جیسے وہ خود پر ملامت نہیں' اپنی تعریف کر رہی ہو۔ جبریل اسے دیکھتا رہا۔ عائشہ عابدین کی آنکھوں میں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ تکلیف اور درد بھی نہیں جو جبریل نے ہر بار اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ وہ شرمندگی اور ندامت بھی نہیں جو ہر بار اس کی آنکھوں سے جھلکتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اب کچھ بھی نہیں تھا اور اس کے جملے نے جبریل کے سارے لفظوں کو گونگا کر دیا تھا۔

"احسن نے آپ کو یہ بتایا کہ میں جری میں ___" جبریل کو پتا نہیں کیوں شبہ ہوا کہ شاید احسن نے اسے کچھ نہیں بتایا' ورنہ عائشہ عابدین کی زبان پر کچھ اور سوال ہونا چاہیے تھا۔

"ہاں!" اس یک لفظی جواب نے جبریل کو ایک بار پھر کچھ بولنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا' وہ اب اسے نہیں دیکھ رہی تھی' اس کافی کے مگ سے اٹھتی بھاپ کو دیکھ رہی تھی جو اس کے دونوں ہاتھوں میں تھا۔ یوں جیسے وہ ہاتھوں میں کوئی کرسٹل بال لیے بیٹھی ہو' جس میں اپنا مستقبل دیکھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ ماضی وہ تھا جسے وہ بھولنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرنا چاہتی تھی اور حال میں اسے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ زندگی کے اس حصے سے بس آنکھیں بند کر کے گزرنا چاہتی تھی' احسن سعد کی چلاتی ہوئی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

"گالی ___ گالی ___ اور گالیاں ___" وہ فون کان سے لگائے کسی میکانکی انداز میں وہ گالیاں سن رہی تھی جو کئی سال اس کی زندگی کے شب و روز کا حصہ رہی تھیں اور وہ انہیں سنتے ہوئے اب بے حس ہو چکی تھی۔ ان برے لفظوں کا زہر اب اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑتا تھا۔ نہ اسے شرم محسوس ہوتی تھی' نہ تذلیل' نہ ہتک' نہ غصہ' نہ پریشانی۔ طلاق کا کیس چلنے کے دوران' طلاق ہونے کے بعد اور اسفند کی کسٹڈی کے کیس کے دوران بھی احسن کا جب دل چاہتا تھا' وہ اسے اسی طرح فون کرتا تھا اور یہی سارے لفظ دہراتا تھا' جو اس نے اب بھی دہرائے تھے۔ وہ کوشش کے باوجود اس کی کال نہ لینے کی ہمت نہیں کر پاتی تھی۔ نفسیاتی طور پر وہ اس قدر خائف تھی کہ اسے یوں لگتا تھا وہ اس کی کال نہیں سنے گی تو وہ اس کے گھر آ جائے گا۔ وہ اس سے یہی کہتا تھا اور وہ یہ بھول گئی تھی کہ وہ امریکہ میں تھی۔ اس کی ایک کال پر پولیس احسن سعد کو کبھی اس کے گھر کے پاس پھٹکنے بھی نہ دیتی۔ لیکن عائشہ اتنی بہادر ہوتی تو اس کی زندگی ایسی نہ ہوتی۔ استحصال کی ایک قسم وہ تھی جو اس نے اپنی شادی قائم رکھنے کے لیے' ایک اچھی بیوی اور اچھی مسلمان عورت بننے کی جدوجہد کرتے ہوئے سہی تھی۔ استحصال کی دوسری قسم وہ تھی جو اس نے اسفند کی زندگی میں باپ نام کی اس محرومی کو نہ آنے کے لیے سہی تھی' جو خود اس کی زندگی میں تھی۔

اسفند کے ایک کندھے میں پیدائشی نقص تھا' وہ اپنا بازو ٹھیک سے اٹھا نہیں پاتا تھا اور وہ Slow Learner (کند ذہن) تھا اور اس کے یہ دونوں "نقائص" احسن سعد اور اس کی فیملی کے لیے ناقابل یقین اور ناقابل معافی تھے۔ ان کی سات نسلوں میں کبھی کوئی بچہ کسی ذہنی یا جسمانی نقص کا شکار بھی نہیں ہوا تھا۔ تو ان کے گھر میں اسفند کی پیدائش کیسے ہوئی؟ یہ بھی عائشہ کا قصور تھا۔ اس کے جینز کا' اس کے اعمال کا' وہ اس کا عذاب اور سزا تھی۔ احسن سعد اور اس کی فیملی کے لیے آزمائش کیوں بنا تھا۔ اور عائشہ کے کھوکھلے لفظ اب بالکل گونگے ہو گئے تھے۔ اسے بھی یقین تھا کہ اس کی اولاد کی یہ تکلیف اس کے کسی گناہ کا نتیجہ تھی' پر کون سا گناہ ___ یہ وہ سوال تھا جس کا جواب اسے نہیں ملتا تھا اور اس معذور اولاد کے ساتھ اس نے احسن سعد کی اطاعت کی ہر حد پار کر لی تھی' صرف اس لیے کیونکہ اسے لگتا تھا کہ اس کے بیٹے کو باپ کی ضرورت تھی۔ وہ اکیلی اسے کیسے پالتی۔
وہ اسفند کی پیدائش کے بعد امریکہ گئی تھی اور یہاں احسن نے اسے رہائش پذیر ہونے کے لیے کہا تھا کیونکہ وہ معاشی طور پر اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کر سکتا تھا۔ عائشہ نے سوچے سمجھے بغیر اپنی تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع

کروایا تھا۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکی تھی کہ احسن کو یک دم ایسے کون سے اخراجات نظر آنے لگے تھے جس کے لیے اس کا کام کرنا بھی ضروری تھا اور وہاں آنے کے ایک سال بعد اسے پتا چلا تھا کہ اس کے امریکہ آنے کے چند مہینے بعد ہی احسن نے پاکستان میں دوسری شادی کرلی تھی۔ وہ اب اکثر پاکستان جاتا تھا اور عائشہ کو کبھی شک بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کی زندگی میں کوئی دوسری عورت آچکی تھی۔ وہ انکشاف کسی نے اس کی فیملی کے سامنے کیا تھا جو احسن سعد کی دوسری بیوی اور اس کے خاندان کو جانتا تھا۔ عائشہ عابدین کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ اس خبر پر کس طرح کے ردعمل کا اظہار کرے۔ یہ سب فلموں اور ڈراموں میں ہوتا تھا مگر اس کے ساتھ جو ہوا تھا اس کے بعد اسے فلمیں اور ڈرامے بھی سچ لگنے لگے تھے۔

احسن سعد نے بے حد ڈھٹائی سے دوسری شادی کا اعتراف کیا تھا اور اسے بتایا تھا کہ وہ مسلمان ہے اور چار شادیاں بھی کرسکتا ہے اور یہاں تو اس کے پاس ایک بے حد مضبوط وجہ تھی کہ اس کی بیوی اسے صحت مند اولاد نہیں دے سکتی تھی جو اس کی دوسری بیوی اسے دے گی۔

زندگی میں وہ پہلا لمحہ تھا جب عائشہ عابدین تھک گئی اور اس نے احسن سعد اور اس کی فیملی کے بجائے اپنی فیملی کی بات مانتے ہوئے اس سے علیحدگی کا فیصلہ کیا تھا' اور اس فیصلے نے احسن سعد کے ہوش اڑا دیے تھے۔ اسے عائشہ عابدین سے ایسے ردعمل کی توقع نہیں تھی۔ اسفند کے نام کچھ جائیداد تھی جو عائشہ کے نانا نے عائشہ کے نام کرنے کے بجائے جائیداد کی تقسیم کے دوران اس کے بیٹے کے نام گفٹ کی تھی اور احسن کی نظر میں عائشہ کی کچھ قدروقیمت تھی تو اس کی بڑی وجہ یہی تھی۔ اسے عائشہ کے کردار پر شک تھا۔ بے عملی اور بے ہدایتی کی شکایت تھی' لیکن اس سب کے باوجود وہ عائشہ کو آزاد کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ مگر اس کا کوئی حربہ کارگر نہیں ہوا تھا۔

عائشہ کی طلاق کی پروسیڈنگ کے دوران پاکستان میں احسن سعد کی دوسری بیوی نے بھی شادی کے آٹھ ماہ بعد خلع کا کیس فائل کروایا تھا۔ احسن سعد اور اس کی فیملی نے اس کے بعد کچھ مشترکہ فیملی فرینڈز کے ذریعے مصالحت کی بے انتہا کوششیں کی تھیں مگر.... عائشہ کی فیملی نے ایسی کسی کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیا تھا' اور عائشہ اس سارے عرصے میں ایک کیچوے کی مانند رہی تھی' جو ہو رہا تھا وہی ہونا چاہیے تھا۔ مگر جو بھی ہو رہا تھا' وہ خود نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ تب بھی یہ فیصلہ نہیں کرپارہی تھی کہ وہ صحیح کررہی تھی یا غلط۔ اللہ کے نزدیک اس کا یہ عمل گناہ تھا یا نہیں اور اگر وہ گناہ تھا تو وہ چاہتی تھی یہ گناہ کوئی اور اپنے سر لے لے لیکن اسے احسن سعد سے نجات دلادے۔

جس دن اس کی طلاق فائنل ہوئی تھی' اس دن اس نے حجاب اتار دیا تھا کیونکہ اسے یقین تھا اب وہ کتنی بھی نیکیاں کرلے' وہ اللہ کی نظروں میں گناہ گار رہے گی۔ احسن سعد نے ایک لڑکی کی زندگی تباہ نہیں کی تھی' اس نے اسے اس دین سے بھی برگشتہ کردیا تھا جس کی پیروکار ہونے پر عائشہ عابدین کو فخر تھا۔

"تمہارے یار کو بتا آیا ہوں تمہارے سارے کرتوت۔" احسن سعد نے فون پر دھاڑتے ہوئے اس سے کہا تھا۔ "تم کیا پلان کررہی ہو کہ میرے بیٹے کو مار کر تم اپنا گھر بساؤ گی' رنگ رلیاں مناؤ گی..... میں صرف تمہیں جیل نہیں بھیجوں گا' تمہارے اس یار کو بھی بھیجوں گا جس نے میرے بیٹے کا آپریشن کرکے جان بوجھ کر اسے مارا اور اس نے خود اپنے منہ سے مجھے بتایا ہے۔"

وہ بکتا جھکتا بولتا ہی چلا گیا اور وہ سنتی رہی۔

"عائشہ.....!" جبریل کی آواز نے ایک بار پھر اسے چونکایا۔ اس کے ہاتھوں میں موجود کافی کے مگ سے اب بھاپ اٹھنا بند ہوچکی تھی۔ کافی ٹھنڈی ہوچکی تھی۔ عائشہ نے سر اٹھا کر جبریل کو دیکھا۔ وہ اب اسے بتا رہا تھا کہ

اس آپریشن کے دوران کیا ہوا تھا۔ اور اسے یقین نہیں تھا' صرف اس کا اندازہ تھا کہ ڈاکٹر ویل سے اس آپریشن میں کچھ غلطیاں ہوئی تھیں۔ اور قصور وار نہ ہونے کے باوجود وہ اپنے آپ کو مجرم محسوس کر رہا تھا۔ یہ اس کی بے وقوفی ہی تھی کہ وہ یہ انکشاف احسن سعد کے سامنے کر بیٹھا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ احسن سعد آپ کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

اس کی بات کے اختتام پر عائشہ کی زبان سے نکلنے والے جملے نے جبریل کو حیران کر دیا تھا۔ وہ اسی طرح پرسکون تھی' وہ اگر کسی شدید جذباتی رد عمل کی توقع کر رہا تھا تو ایسا نہیں ہوا تھا۔ کسی غصے کا اظہار' کوئی ملامتی لفظ' کچھ بھی نہیں۔ وہ جواباً اسے تسلی دے رہی تھی کہ اسے کچھ نہیں ہوگا۔

"میں نے احسن کو بتا دیا ہے کہ میں اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کو مانتے ہوئے کورٹ میں اسفند کے قتل کا اعتراف کرلوں گی۔"

اس کے اگلے جملے نے جبریل کا دماغ جیسے بھک سے اڑا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم سے کوئی ملنے آیا ہے۔" جیل کے ایک سنتری نے ۔۔۔ راہداری جتنی لمبی بیرک کی ایک دیوار کے ساتھ چادر زمین پر ڈال کر سوئے اس بوڑھے آدمی کو بڑی رعونت کے عالم میں اپنے جوتے کی ٹھوکر سے جگایا تھا۔ وہ ہڑبڑایا نہیں' ویسے ہی پڑا رہا اور لیٹے لیٹے اس نے آنکھیں کھول کر سر پر کھڑے اس سنتری کو دیکھا۔ اسے یقین تھا اسے کوئی غلط فہمی ہوئی تھی۔ اس سے ملنے کون آسکتا تھا۔ پچھلے بارہ سالوں سے تو کوئی نہیں آیا تھا' پھر اب کون آئے گا۔

"ارے اٹھ... مرا پڑا ہے... سنا نہیں ایک بار کہ کوئی ملنے آیا ہے۔" سنتری نے اس بار کچھ زیادہ طاقت سے اسے ٹھوکر ماری تھی' وہ اٹھ کے بیٹھ گیا۔

"کون آیا ہے؟" اس نے سنتری سے پوچھا۔

"وہی میڈیا والے کتے۔" سنتری نے گالی دی۔

"سزائے موت کے قیدیوں سے انٹرویو کرنا ہے انہیں"

اس نے ایک بار پھر لیٹنے کی کوشش کی لیکن سنتری کے ہاتھ میں پکڑے ڈنڈے کی حرکت نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ اس کے ساتھ چل پڑے۔ وہ ان میڈیا والوں سے بے زار تھا اور این جی اوز والوں سے بھی جو وقتاً "فوقتاً" وہاں سروے کرنے آتے تھے۔ ان کے حالاتِ زندگی جاننے' ان کے جرم کی وجوہات کریدنے' جیل کے حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے۔ وہ جیسے سرکس کے جانور تھے جنہیں ان کے سامنے پیش ہو کر بتانا پڑتا کہ انہوں نے جو کیا' کیوں کیا؟ کیا اب انہیں پچھتاوا تھا اور کیا انہیں اپنے گھر والے یاد آتے تھے؟

بے زاری کے ساتھ لڑکھڑاتے قدموں سے وہ اس سنتری کے پیچھے چلتا گیا جو اسے بیرک سے نکال کر ملاقاتیوں والی جگہ کے بجائے جیلر کے کمرے میں لے آیا تھا اور وہاں غلام فرید نے پہلی بار ان چار افراد کو دیکھا جن میں سے دو گورے تھے اور دو مقامی خواتین۔ وہ چاروں انگلش میں بات کر رہے تھے اور غلام فرید کے اندر داخل ہوتے ہی ان کے اور جیلر کے درمیان کچھ بات چیت ہوئی اور پھر جیلر اس سنتری کے ہمراہ وہاں سے چلا گیا۔

"غلام فرید؟" ایک عورت نے تصدیقی انداز میں اس سے پوچھا تھا۔ غلام فرید نے سر ہلایا۔

"بیٹھو!" اسی عورت نے اشارے سے سامنے پڑی ایک کرسی پر اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔

غلام فرید کچھ نروس ہوا تھا' لیکن پھر وہ جھجکتا' مسکراتا' ہمستا ان کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ ایک گورے نے اس کے بیٹھتے ہی ہاتھ میں پکڑے ایک فون سے اس کی کچھ تصویریں لی تھیں۔

جس عورت نے اس سے گفتگو کا آغاز کیا تھا وہ اب پنجابی میں اس سے پوچھ رہی تھی کہ وہ کس جرم میں کب وہاں آیا تھا۔ غلام فرید نے رٹے رٹائے طوطے کی طرح اس کے ان دس بارہ سوالات کا جواب دیا تھا اور پھر انتظار میں بیٹھ گیا تھا کہ وہ اب ان بنیادی سوالات کے بعد ایک بار پھر سے اس کے جرم کو کریدنا شروع کریں گے پھر جیل میں اس کی زندگی کے بارے میں پوچھیں گے اور پھر۔

مگر اس کی توقع غلط ثابت ہوئی تھی۔ انہوں نے اس کی زبانی اس کا نام' ولدیت' رہائش' جرم کی نوعیت اور جیل میں آنے کے سال کے بعد اس سے پوچھا تھا۔

"جیل سے باہر آنا چاہتے ہو غلام فرید؟" وہ گورا تھا مگر اس بے شکستہ اردو میں بات کر رہا تھا۔ غلام فرید کو لگا اسے سننے میں کچھ دھوکہ ہوا ہے۔

"جیل سے باہر آنا چاہتے ہو؟" اس آدمی نے جیسے اس کے چہرے کے تاثرات پڑھ لیے تھے۔

"جیل سے باہر۔۔۔؟" غلام فرید نے سوچا۔ ایک لمحہ کے لیے' کیا وہ جیل سے باہر آنا چاہتا تھا؟ پھر اس نے نفی میں سر ہلایا۔ جو اس آدمی کے لیے جیسے غیر متوقع تھا۔

"کیوں؟" اس نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

"باہر آکر کیا کروں گا؟" غلام فرید نے جواباً" کہا تھا۔ "نہ کوئی گھر ہے نہ خاندان اور اس عمر میں محنت مزدوری نہیں ہوتی۔ جیل ٹھیک ہے' یہاں سب ملتا ہے۔" غلام فرید نے کہا تھا' اس نے سوچا تھا۔ اب سروے کے سوال بدل گئے تھے۔

"اگر تمہیں ڈھیر سارا پیسہ' ایک شان دار سا گھر اور ایک بیوی بھی مل جائے تب بھی باہر آنا نہیں چاہتے؟ زندگی نئے سرے سے شروع کرنا نہیں چاہتے؟" اس بار دوسری عورت نے اس سے کہا تھا۔

بہت سارا پیسہ۔۔۔؟ غلام فرید نے سوچا۔ بہت سارے پیسے کی خواہش نے ہی تو مسئلہ پیدا کیا تھا اس کے لیے۔۔۔ اسے پتا نہیں کیا کیا یاد آیا تھا اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی جب وہ سوچتا تھا تو اسے سب یاد آجاتا تھا۔ اپنی کڑوی زبان والی بیوی جس کے عشق میں وہ گرفتار تھا اور جو کبھی شہد جیسی میٹھی تھی۔۔۔ اور وہ بچے۔۔۔ ایک دو سال کے وقفے سے باری باری پیدا ہونے والے نو بچے۔ جن میں سے چند بڑوں کے علاوہ اسے اب کسی کا نام اور شکل یاد نہیں تھی۔ وہ مولوی جو اس کا دشمن تھا اور وہ سود جو ختم ہی نہیں ہوتا تھا' اسے آج بھی وہ رقم یاد تھی جو اس نے سود پر لی تھی اور وہ رقم بھی جو بڑھتے بڑھتے اتنی بڑھ گئی تھی کہ ایک دن وہ اپنا ذہنی توازن ہی کھو بیٹھا تھا۔

"سالار سکندر یاد ہے تمہیں؟" اس کو خاموش دیکھ کر اس گورے نے غلام فرید سے پوچھا تھا۔

غلام فرید کی آنکھوں میں ایک عجیب سی وحشت آئی تھی۔ جھریوں سے بھرے چہرے' بڑھے بالوں اور بے ترتیب داڑھی کے ساتھ پھٹے پرانے ملگجے کپڑوں میں وہاں ننگے پاؤں بیٹھے بھی اسے سالار سکندر یاد تھا۔۔۔ اور اس کا باپ۔۔۔ اور وہ نفرت بھی جو اس کے دل میں ان کے لیے تھی اور بہت سے ان دوسرے لوگوں کے لیے بھی جنہوں نے اس کا استعمال کیا تھا۔

غلام فرید نے زمین پر تھوکا تھا۔ کمرے میں بیٹھے چاروں افراد کے چہروں پر مسکراہٹ ابھری۔

☼ ☼ ☼

"میرے بچپن میں' میری زندگی میں جتنا بڑا رول آپ لوگوں کی فیملی کا تھا' پچھلے پانچ سالوں میں اتنا ہی بڑا رول اس شخص کا ہے۔"

عبداللہ نے عنایہ کو بتایا تھا۔ چند ہفتوں بعد ہونے والی اپنی منگنی سے پہلے یہ ان کی دوسری ملاقات تھی۔ عنایہ ایک سیمی نار میں شرکت کے لیے کیلی فورنیا آئی تھی اور عبداللہ نے اسے ڈنر پر بلایا تھا۔ وہ اسے ڈاکٹر احسن سعد سے ملوانا چاہتا تھا جو اسی کے اسپتال میں کام کرتے تھے اور وہ ہمیشہ سے ان سے بہت متاثر تھا۔ عنایہ نے کئی بار اس سے پچھلے سالوں میں اس شخص کے حوالے سے سنا تھا جس سے وہ اب تھوڑی دیر میں ملنے والی تھی۔

"مسلمان ہونا آسان تھا میرے لیے... لیکن مسلمان رہنا اور بننا بڑا مشکل تھا۔ ڈاکٹر احسن نے یہ کام بڑا آسان کر دیا میرے لیے۔ جبریل کے بعد یہ دوسرا شخص ہے جسے میں رول ماڈل سمجھتا ہوں کہ وہ دین اور دنیا دونوں کو ساتھ لے کر چل رہے ہیں۔"

عبداللہ بڑے پرجوش انداز میں عنایہ کو بتا رہا تھا اور وہ مسکراتے ہوئے سن رہی تھی۔ عبداللہ جذباتی نہیں تھا، بے حد سوچ سمجھ کر بولنے والوں میں سے تھا اور کسی کی بے جا تعریف کرنے والوں میں سے بھی نہیں تھا۔

"کچھ زیادہ ہی متاثر ہوگئے ہو تم ان سے۔" عنایہ کہے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ وہ ہنس پڑا۔

"تم جیلس تو نہیں ہو رہیں؟" اس نے عنایہ کو چھیڑا۔

"ہوئی تو نہیں لیکن ہو جاؤں گی۔" اس نے جواباً" مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین ہے تم ان سے ملو گی تو تم بھی میری ہی طرح متاثر ہو جاؤ گی ان سے۔" عبداللہ نے کہا۔ "میں اپنے نکاح میں ایک گواہ انہیں بناؤں گا۔"

عنایہ اس بار قہقہہ مار کر ہنسی تھی۔ "عبداللہ ہم اس قدر انسپائرڈ (متاثر) ہو ان سے؟ مجھے تھوڑا بہت اندازہ تو تھا لیکن اس حد تک نہیں... مجھے اب اور اشتیاق ہو رہا ہے ان سے ملنے کا۔" عنایہ نے اس سے کہا "وہ یقیناً" اچھے شوہر بھی ہوں گے اگر تم نکاح میں بھی انہیں گواہ بنانا چاہتے ہو تو۔" عنایہ کو مزید تجسس ہوا تھا۔

"بس اس ایک معاملے میں خوش قسمت نہیں رہے وہ۔" عبداللہ یک دم سنجیدہ ہو گیا "اچھی بیوی ایک نعمت ہوتی ہے اور بری ایک آزمائش... اور انہیں دوبار اس آزمائش سے گزرنا پڑا۔ ان کی نرمی اور اچھائی کا ناجائز فائدہ اٹھایا ان کی بیویوں نے۔" عبداللہ کہہ رہا تھا۔

"Ohhh that's sad" (اوہ! یہ افسوس ناک ہے) عنایہ نے کریدے بغیر افسوس کا اظہار کیا۔

"تمہیں پتا ہے تم سے شادی کے لیے بھی میں نے ان سے بہت دعا کروائی تھی اور دیکھ لو ان کی دعا میں کتنا اثر ہے ورنہ تمہارے پیرنٹس آسانی سے ماننے والے تو نہیں تھے۔" عبداللہ اب بڑے فخریہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"میرے پیرنٹس کسی کی دعاؤں کے بجائے تمہارے کردار اور اخلاص سے متاثر ہوئے ہیں عبداللہ۔" عنایہ نے اسے جتایا۔

اسے اپنی بے یقینی کا وہ عالم ابھی بھی یاد تھا جب چند مہینے پہلے عبداللہ سے پاکستان میں ملنے کے بعد امامہ نے اسے فون کیا تھا اور اسے بتایا تھا کہ انہوں نے اس کا رشتہ امریکہ میں مقیم ایک ہارٹ سرجن کے ساتھ طے کر دیا ہے، وہ کچھ دیر کے لیے بھونچکا رہ گئی تھی۔ اس سے پہلے جو بھی پروپوزلز اس کے لیے زیر غور آتے تھے، عنایہ سے مشورہ کیا جاتا تھا اور پھر اسے ملوایا جاتا تھا۔ یہ پہلا پروپوزل تھا جس کے بارے میں اسے اس وقت اطلاع دی جا رہی تھی جب رشتہ طے کر دیا گیا تھا۔ عجیب صدمے کی حالت میں اس نے امامہ سے کہا تھا۔

"مگر ممی! آپ کو مجھے پہلے ملوانا چاہیے تھا اس سے... اس کے بارے میں مجھ سے کچھ پوچھا تک نہیں آپ نے۔"

"تمہارے بابا نے بات طے کی ہے۔" امامہ نے جواباً" کہا۔ عنایہ خاموش ہو گئی۔ عجیب دھچکا لگا تھا اسے۔

"تم نہیں کرنا چاہتیں؟" امامہ نے اس سے پوچھا تھا۔

"نہیں میں نے ایسا تو نہیں کہا' پہلے بھی آپ لوگوں ہی کو کرنا تھا تو ٹھیک ہے۔"

عنایہ نے کچھ بجھے دل کے ساتھ کہا تھا۔ اسے عبداللہ یاد آیا تھا اور بالکل اسی لمحے امامہ نے اس سے کہا۔

"عبداللہ نام ہے اس کا۔" نام سن کر بھی لحظہ بھر کے لیے بھی اسے یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ ایرک عبداللہ کی بات کر رہی تھی۔ امامہ اس قدر کٹر مخالف تھی ایرک عبداللہ سے شادی کی کہ عنایہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ جس عبداللہ کا اتنے دوستانہ انداز میں ذکر کر رہی تھی' وہ وہی تھا۔

"اوکے۔" عنایہ نے بمشکل کہا۔

"تم سے ملنا بھی چاہتا ہے۔ وہ نیویارک آیا ہوا ہے میں نے اسے تمہارا ایڈریس دیا تھا۔" امامہ کہہ رہی تھی۔

عنایہ نے بے ساختہ کہا "ممی پلیز' اب اس طرح میرے سر پر مت تھوپیں اسے کہ آج مجھے رشتہ طے ہونے کی خبر دے رہی ہیں اور آج ہی مجھے اس سے ملنے کا بھی کہہ رہی ہیں۔ ویسے بھی اب رشتہ طے ہو گیا ہے' ملنے نہ ملنے سے کیا فائدہ ہو گا۔" اس نے جیسے اپنے اندر کا غصہ نکالا تھا۔

"اس کی فیملی بھی شاید ساتھ ہو... اس کی ممی سے بات ہوئی ہے میری... اگلے ٹرپ پر میں بھی ملوں گی اس کی فیملی سے... منگنی کا فارمل فنکشن تو چند مہینوں بعد ہو گا۔" امامہ نے اس طرح بات جاری رکھی تھی جیسے اس نے عنایہ کی خفگی کو محسوس ہی نہیں کیا تھا۔

عنایہ صدمہ کی کیفیت میں اگلے ایک گھنٹے تک وہیں بیٹھی رہی تھی اور ایک گھنٹے کے بعد اس کے دروازے پر بیل بجنے پر اس نے جس شخص کو دیکھا تھا' اسے لگا تھا سردیوں کے موسم میں ہر طرف بہار آ گئی ہے۔ گلاب کا ایک اور ادھ کھلا پھول ٹہنی سمیت اسے پکڑاتے ہوئے دروازے پر ہی اس نے عنایہ سے پھاوڑا مانگا تھا تاکہ اس کے دروازے کے باہر پڑی برف ہٹا سکے۔ وہ کئی سالوں بعد مل رہے تھے اور عنایہ کو وہی ایرک یاد آیا تھا جو اکثر ان کے گھر میں لگے پھول۔ توڑ توڑ کر اس کو اور امامہ کو لا کر دیا کرتا تھا اور جس کا پسندیدہ مشغلہ سردیوں میں اپنے اور ان کے گھر کے باہر سے برف ہٹانا تھا۔

"وہ یہاں ہے۔" عبداللہ کی آواز اسے خیالوں سے باہر لے آئی تھی۔ وہ ریسٹورنٹ کے دروازے پر نمودار ہونے والے کسی شخص کو دیکھتے ہوئے کھڑا ہوا تھا۔ عنایہ نے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ احسن سعد سے اس کی پہلی ملاقات تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا اس سے ہونے والا اگلا سامنا اس کی زندگی میں کتنا بڑا بھونچال لانے والا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تمہارے لیے کوئی لڑکی دیکھیں؟" امامہ نے اس صبح ناشتے کی ٹیبل پر حمین سے کہا تھا۔ وہ ان کے پاس چند دنوں کے لیے پاکستان آیا ہوا تھا۔ یہ اس کی روٹین میں شامل تھا۔ بنا بتائے کچھ دنوں کے لیے امامہ اور سکندر عثمان سے ملنے آ جانا۔ اپنی زندگی اور بزنس کی بے پناہ مصروفیات میں بھی وہ کبھی یہ نہیں بھولتا تھا۔

"صرف ایک لڑکی؟" حمین نے بڑی سنجیدگی سے امامہ سے کہا جو اس کی پلیٹ میں کچھ اور آملیٹ ڈال رہی تھی۔ وہ پچھلے کچھ عرصے سے ہر بار اس کے پاکستان آنے پر اس سے شادی کے حوالے سے کچھ نہ کچھ کہتی رہتی تھی' وہ ہنس کر ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتا تھا۔

"میں سیریس ہوں' مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" امامہ نے اسے گھورا تھا۔

"باقی تینوں میں سے ہر ایک آزاد پھر رہا ہے تو میں نے کیا گناہ کیا ہے؟" حمین نے اس سے کہا تھا۔

"جبریل کے پاس ابھی شادی کے لیے وقت نہیں... عنایہ کی تو ریزیڈنسی مکمل ہوتے ہی کر دوں گی۔ رئیسہ اور

تمہارے لیے اب تلاش شروع کرتی ہوں۔" امامہ نے اپنے لیے کپ میں چائے ڈالتے ہوئے کہا۔

"آپ کو کچھ تعمیری کام کرنا چاہیے۔" حمین نے اسے چھیڑا۔

"مثلاً؟" اس نے جواباً بڑی سنجیدگی سے اس سے پوچھا۔

"ڈھونڈتا ہوں آپ کے لیے کوئی تعمیری کام۔" حمین نے آملیٹ کا آخری ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"یہاں کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے اور اس عمر میں نئے سرے سے کوئی ایکٹوٹی ڈھونڈنا مشکل ہوتا ہے۔ اتنے سالوں سے ایک روٹین کی عادی ہوں اور پاپا کو اس طرح گھر چھوڑ کر میں کوئی ایکٹوٹی ڈھونڈنا بھی نہیں چاہتی۔" امامہ نے اس سے بڑی سنجیدگی سے کہا تھا' یوں جیسے اسے خدشہ ہو وہ واقعی اس کے لیے کوئی ایکٹوٹی ڈھونڈنے نہ چل پڑے' وہ تھا بھی تو ایسا ہی۔

حمین نے امامہ کو بڑے پیار سے دیکھا۔ وہاں اسلام آباد کے ایک گھر میں اپنی منتخب کردہ گوشہ نشینی کی زندگی گزارتے ہوئے بھی وہ ان سب کی زندگی کا محور تھی۔ حمین نے جو سال بچپن میں یہاں سالار اور جبریل کی عدم موجودگی میں امامہ کے ساتھ گزارے تھے' وہ ان دونوں کو بہت قریب لے آئے تھے۔ وہ اس سے پہلے اپنے ہر دکھ سکھ کی بات جبریل سے کرنے کی عادی تھی' اب حمین سے کرنے لگی تھی۔ اس نے امامہ کی بات سننے اور ماننے کی عادت ان ہی سالوں میں سیکھی تھی۔

"ممی! آپ نے فیملی کے لیے سب سے زیادہ قربانیاں دی ہیں۔" حمین نے یک دم پتا نہیں کس ذہنی رو میں اس سے کہا تھا۔ وہ اس کی بات پر چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

"ہمیشہ عورت ہی دیتی ہے حمین... میں نے کوئی انوکھا کام نہیں کیا۔" اس نے بڑی لاپروائی سے حمین سے کہا تھا۔

"اگر آپ کو کبھی اپنے جیسی کوئی عورت ملے تو مجھے اس سے ضرور ملوائیں' ہو سکتا ہے میں شادی کرلوں اس سے بلکہ فوراً کرلوں گا۔" اس نے کہا۔

امامہ بڑے پراسرار انداز میں مسکرائی "یہ کام تو بڑا آسان کردیا ہے تم نے میرے لیے۔"

"تمہارے ساتھ چلنا اور زندگی گزارنا بھی بہت مشکل ہوگا حمین... تم بھی کام کے معاملے میں اپنا بابا جیسے ہو workaholic... جو کام سامنے ہوتے پر سب کچھ بھول بیٹھے۔" امامہ نے اس سے کہا تھا۔

"بابا سے موازنہ نہ کریں میرا... ان کی اور میری اسپیڈ میں بہت فرق ہے۔" وہ خوش دلی سے ہنسا تھا۔

"رئیسہ اچھی لڑکی ہے۔" امامہ نے یک دم کہا تھا۔ حمین کی سمجھ میں نہیں آیا' اسے بیٹھے بٹھائے رئیسہ کیوں یاد آگئی تھی۔ امامہ نے بھی اس سے آگے کچھ نہیں کہا تھا۔

"ہاں' رئیسہ بہت اچھی لڑکی ہے۔" اس نے بھی سوچے سمجھے بغیر ماں کی بات کی تائید کی تھی اور اسے ہشام اور رئیسہ کا مسئلہ یاد آگیا تھا جسے ڈسکس کرنے کے لیے وہ امامہ کے پاس آیا تھا۔ مگر اگلے دن سکندر عثمان کی اچانک موت نے اسے یہ کرنے نہیں دیا۔

✲ ✲ ✲

سکندر عثمان ان سب کی زندگی سے بے حد خاموشی سے چلے گئے تھے۔ وہ حمین کی وہاں آمد کے دوسرے دن نیند سے نہیں جاگے تھے۔ اس وقت اس گھر میں صرف امامہ اور حمین ہی تھے' طیبہ امریکہ میں تھیں۔

اس رات حمین' سکندر عثمان کے پاس بہت دیر تک بیٹھا رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح۔ وہ جب بھی یہاں آتا تھا

امامہ اور ان کے لیے ہی آتا تھا۔ سکندر عثمان سے وہ سالار کے دوسرے بچوں کی نسبت زیادہ انسیت رکھتا تھا اور ایسا ہی انس سکندر عثمان بھی اس سے رکھتے تھے۔ الزائمر کی اس انتہائی اسٹیج پر بھی حمین کے سامنے آنے پر ان کی آنکھیں چمکتی تھیں یا کم از کم دوسروں کو لگتی تھیں۔ کچھ بھی بول نہ سکنے کے باوجود وہ اسے دیکھتے رہتے تھے اور وہ دادا کا ہاتھ پکڑے ان کے پاس بیٹھا رہتا تھا۔ ان سے خود ہی بات چیت کی کوشش کرتا رہتا۔ خود سوال کرتا، خود جواب دیتا جیسے بچپن میں کرتا تھا اور ویسی ہی باتیں جو بچپن میں ہوتی تھیں اور تب سکندر عثمان ان کے جواب دیا کرتے تھے۔

"دادا! بتائیں شترمرغ کی کتنی ٹانگیں ہوتی ہیں؟" وہ ان کے ساتھ واک کرتے کرتے یک دم ان سے پوچھتا۔ سکندر عثمان الجھتے شترمرغ کی تصویر ذہن میں لانے کی کوشش کرتے پھر ہار مانتے۔

"مرغ کی دو ہوں گی تو شترمرغ کی بھی دو ہوں گی دادا... یہ تو سوچے بغیر بتا دینے والا جواب تھا۔" سکندر عثمان اس کی بات پر سر ہلانے لگتے۔

سکندر عثمان کی یادداشت کے دیے، حمین سکندر نے اپنے سامنے ایک ایک کرکے بجھتے دیکھے تھے اور ایک بچے کے طور پر الزائمر کو نہ سمجھنے کے باوجود اس نے اپنے دادا کے ساتھ مل کر ان دیوں کی روشنی کو بچانے کی بے پناہ کوشش کی تھی۔

وہ کسی بھی چیز کا نام بھول جانے پر انہیں تسلی دے دیا کرتا تھا کہ یہ نارمل بات تھی... اور بھولنا تو اچھا ہوتا ہے اسی لیے وہ بھی بہت ساری چیزیں بھولتا ہے۔ وہ بچے کی لاجک تھی اور بڑے کے سامنے لنگڑی تھی مگر سکندر عثمان کو اس عمر میں اس بیماری سے لڑتے ہوئے ویسی ہی لاجک چاہیے تھی جو انہیں یہ یقین دلا دیتی کہ وہ ٹھیک تھے، سب کچھ "نارمل" تھا۔

حمین ان کی بیماری کے بڑھتے جانے پر آہستہ آہستہ کرکے ان کے کمرے کی ہر چیز پر اس چیز کا نام کاغذ کی چٹوں پر لکھ کر چسپاں کر دیا کرتا تھا تاکہ دادا کچھ نہ بھولیں، وہ جس چیز کو دیکھیں، اس کا نام یاد کرنے کے لیے انہیں تردد نہ کرنا پڑے۔ وہ چٹیں سینکڑوں کی تعداد میں تھیں اور اس کمرے میں آنے والے ہر شخص کو ایک بار، سکندر عثمان کے ساتھ اس بیماری سے لڑنے والے اس دوسرے شخص کے بارے میں سوچنے پر بھی مجبور کر دیتیں اور حمین نے اس بیماری کے سامنے پہلی بار اس دن ہار مانی تھی، جس دن سکندر عثمان اس کا نام بھول گئے تھے۔ وہ بے یقینی سے ان کا چہرہ دیکھتا رہا تھا۔ وہ آخر اس کا نام کیسے بھول گئے تھے؟ اس وجود کا جو دن میں سے بارہ گھنٹے ان کے اردگرد منڈلاتا رہتا تھا۔ اس کے سامنے کھڑے سکندر عثمان اس کا نام یاد کرتے، اٹکتے، الجھتے، ہکلاتے گڑگڑاتے رہے اور حمین ان کی جدوجہد اور بے بسی دیکھتا رہا۔

پھر وہ بڑی خاموشی سے سینٹر ٹیبل کے پاس گھٹنے ٹیک کر بیٹھا۔ وہاں پڑی ایک اسٹک آن جیٹ اس نے اٹھائی، اس پر اپنا نام لکھا اور پھر اپنے ماتھے پر اسے چسپاں کرتے ہوئے وہ سکندر عثمان کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہتا تھا اور شاید زندگی میں پہلی بار، لیکن وہ نہیں رویا تھا، اس نے جیسے سکندر عثمان کے سامنے اس بات کو مذاق میں اڑانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بات الزائمر سے جنگ کرتے اس شخص کے لیے مذاق نہیں تھی۔ وہ اس کے نام کے اسپیلنگ کرتے کرتے ہنس پڑے تھے اور پھر ہنستے ہنستے وہ وہیں کھڑے کھڑے اپنی مٹھیاں بھینچتے، رونے لگے تھے اور ان سے قد اور عمر میں چھوٹے حمین نے اپنی عمر سے بڑے اس بوڑھے شخص کو تھپکتے ہوئے تسلی دی تھی جو اپنی "نااہلی" اور "مجبوری" پر نادم تھا اور جو اپنے چہیتے ترین رشتے کا نام یاد رکھنے سے بھی قاصر تھا۔ ان کی اس بیماری نے حمین سکندر کو وقت سے پہلے میچور کر دیا تھا۔ جبریل نے سالار

سکندر کی بیماری کو جھیلا تھا' حمین نے سکندر عثمان کی۔ وہ اسے اپنے ساتھ جوڑے رکھنے کے لیے اسے اپنی چیزیں دینا شروع ہو گئے تھے۔

"دادا! آپ کو یہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" حمین جیسے سمجھ جاتا تھا کہ وہ بارٹر ڈیل ۔۔۔ کس شے کے لیے تھی "میرے پاس دنیا میں جتنا وقت ہے' آپ کے لیے ہے۔"

(I have all the time in the world for you)

وہ جیسے انہیں یقین دلانے کی کوشش کرتا۔ وہ پھر بھی اسے کچھ نہ کچھ دینے کی کوشش کرتے' حمین ان کے بہت سارے رازوں سے واقف تھا۔ ان بہت ساری جگہوں سے بھی جہاں وہ اپنی قیمتی چیزیں چھپاتے تھے' اس پر ان کے اعتبار کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر چیز چھپاتے ہوئے صرف حمین سکندر کو بتاتے تھے صرف اس لیے کیونکہ انہیں یہ خدشہ تھا کہ وہ کہیں اس جگہ کو بھی نہ بھول جائیں جہاں وہ سب کچھ چھپا رہے تھے۔ اور ایسا ہی ہوتا تھا' ان کے بھولنے پر حمین انہیں وہ چیز نکال کر دیتا تھا۔ وہ کمرہ جیسے ان دونوں دادا اور پوتے کے لیے چھپن چھپائی والی جگہ بن گیا تھا۔

"ایک دن تم بہت بڑے آدمی بنو گے۔" سکندر عثمان اس سے اکثر کہا کرتے تھی "اپنے بابا سے بھی بڑے آدمی" وہ ان کی بات غور و فکر کے بغیر سنتا پر بیچ میں انہیں ٹوک کر پوچھتا۔

"خالی بڑا آدمی بنوں گا یا rich (امیر)؟" "بابا تو rich (امیر) نہیں ہیں۔" اسے جیسے فکر لاحق ہوئی۔ سکندر عثمان ہنس پڑے۔

"بہت امیر ہو جاؤ گے۔۔۔ بہت زیادہ۔"

"پھر ٹھیک ہے۔" اسے جیسے اطمینان ہوتا "لیکن آپ کو کیسے پتا؟" اسے یک دم خیال آیا۔

"کیونکہ میں تمہارے لیے دعا کرتا ہوں۔" سکندر عثمان بڑھاپے کی اس لاٹھی کو دیکھتے جو ان کے سب سے عزیز بیٹے کا ان کے لیے تحفہ تھا۔

"اوکے۔" حمین کے ذہن میں مزید سوالات آئے تھے لیکن وہ دادا سے اب بحث نہیں کرتا تھا۔

"میں تم پر دنیا میں سب سے زیادہ اعتماد کرتا ہوں۔" وہ اکثر اس سے کہتے تھے اور وہ بڑی سنجیدگی سے ان سے کہتا "اور آپ واحد انسان ہیں جو یہ کام کرتے ہیں" اور سکندر عثمان جواباً" کسی بچے کی طرح ہنسنے لگتے تھے۔

"جب میں اس دنیا سے چلا جاؤں گا تو یہ رنگ تم امامہ کو دے دینا۔" اعتماد کے ایسے ہی ایک لمحے میں انہوں نے حمین کو وہ انگوٹھی دکھائی تھی' جسے وہ کئی سال اپنی ماں کی انگلی میں دیکھتا رہا تھا۔

"یہ تو ممی کی رنگ ہے۔" حمین جیسے چلایا تھا۔

"ہاں تمہاری ممی کی ہے۔۔۔ سالار نے شادی پر گفٹ کی تھی اسے۔۔۔ پھر وہ اسے بیچ کر سالار کے پراجیکٹ میں کچھ انویسٹمنٹ کرنا چاہتی تھی' تو میں نے اسے لے کر اسے وہ رقم دے دی۔ میں اسے واپس دوں گا تو وہ نہیں لے گی اور میں نہیں چاہتا' وہ اور سالار اسے بیچ کر مجھے میرا قرض واپس دینے کی کوشش کریں۔"

سکندر عثمان بتاتے گئے تھے۔ انہوں نے اسے ایک تھیلی میں ڈال کر اپنی وارڈروب کے ایک چور خانے میں حمین کے سامنے رکھا تھا۔ وہ چور خانہ حمین نے بھی پہلی بار ہی دیکھا تھا۔

"آپ اسے لاکر میں کیوں نہیں رکھوا دیتے؟" اس نے سکندر عثمان کو مشورہ دیا تھا۔ وہ مسکرا دیے تھا۔

"میرے مرنے کے بعد لاکر سے جو کچھ بھی نکلے گا' وہ ساری اولاد کی مشترکہ ملکیت ہوگا۔ کوئی یہ امامہ کو نہیں دے گا۔" سکندر نے کہا۔

"لیکن آپ will (وصیت) میں لکھ سکتے ہیں۔" سکندر اس کی بات پر ہنس پڑے تھے۔

"میری اولاد بہت اچھی ہے لیکن میں زندگی میں ان سے بہت ساری باتیں نہیں منوا سکتا تو مرنے کے بعد کیسے منوا سکوں گا' جب تمہاری اولاد ہوگی تو تمہیں سمجھ آجائے گی میری باتوں کی۔" انہوں نے جیسے بڑے پیار کے ساتھ اس سے کہا تھا۔

سکندر عثمان کی موت کے ایک ہفتے کے بعد اس گھر میں ان کی اولاد ترکے کی تقسیم کے لیے اکٹھی ہوئی تھی اور حمین سکندر کی سمجھ میں وہ بات آگئی تھی ——— سکندر عثمان اپنی زندگی میں ہی سب کچھ تقسیم کر چکے تھے۔ انہوں نے اپنے پاس صرف چند چیزیں رکھی تھیں جن میں وہ گھر بھی تھا' لیکن ان چند چیزوں کی ملکیت پر بھی سب میں کچھ اختلافات ہوگئے تھے اور یہ اختلافات بڑھ جاتے اگر سالار سکندر اور اس کا خاندان سکندر عثمان کے رہ جانے والے اثاثوں پر اپنے حصے کے حوالے سے کلیم کرتا۔ وہ ان کے خاندان کا مشترکہ فیصلہ تھا۔

سکندر عثمان کے بچنے والے اثاثوں میں سے سالار سکندر اور اس کے خاندان نے کچھ نہیں لیا تھا۔ البتہ سکندر عثمان کا وہ گھر حمین سکندر نے خریدنے کی آفر کی تھی کیونکہ طیبہ پہلے بھی زیادہ تر اپنے بیٹوں کے پاس بیرون ملک رہتی تھیں اور وہ اب مستقل طور پر ان کے پاس رہنا چاہتی تھیں اور ان کے وہاں سے شفٹ ہو جانے کے فیصلے کے بعد اس گھر کو فروخت کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور اس فیصلے کے دوران کسی نے امامہ کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ سالار سکندر اور اس کے اپنے بچوں کے علاوہ جنہیں یہ احساس ہو رہا تھا کہ سکندر عثمان کے چلے جانے کے بعد اس گھر کے نہ رہنے سے ایک شخص ایک بار پھر دربدر ہونے والا تھا۔ حمین نے اس گھر کو صرف امامہ کے لیے خریدا تھا اور ان یادوں کے لیے جو ان سب کی اس گھر سے وابستہ تھیں۔ اور اس نے جس قیمت پر اسے خریدا تھا' وہ مارکیٹ سے دوگنی تھی۔

☆ ☆ ☆

"ممی! مجھے آپ کو ایک امانت دینی ہے۔" حمین رات کو سالار اور امامہ کے کمرے میں آیا تھا۔ وہ صبح واپس جا رہا تھا۔ باری باری ——— سب ہی واپس جا رہے تھے۔ سالار اور وہ دونوں کچھ دیر پہلے ہی کمرے میں آئے تھے جب وہ دستک دے کر ان کے کمرے میں آیا تھا۔

"امانت؟" وہ کچھ حیران ہوئی تھی۔ حمین نے ایک تھیلی اس کے ہاتھ پر رکھی اور اس کے قریب صوفے پر بیٹھ گیا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے کچھ حیران ہوتے ہوئے پہلے حمین پھر سالار کو دیکھا جو فون پر کسی سے بات کرنے میں مصروف تھا۔

"آپ خود دیکھ لیں۔" حمین نے اسے کہا' امامہ نے تھیلی میں ہاتھ ڈال کر اندر موجود چیز نکالی اور ساکت رہ گئی۔ فون پر بات کرتا سالار بھی اسی طرح ٹھٹکا تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ دونوں اس انگوٹھی کو سیکنڈز میں نہ پہچان جاتے جو ان کی زندگی کی بہترین اور قیمتی ترین یادوں میں سے ایک تھی۔

"یہ تمہیں کہاں سے ملی؟" امامہ نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا تھا۔ سالار نے فون منقطع کر دیا تھا۔

"دادا نے بچپن میں میرے سامنے وارڈ روب میں ایک دراز میں رکھتے ہوئے مجھ سے کہا تھا کہ اگر وہ اسے

بھول جائیں تو ان کے مرنے کے بعد میں اسے وہاں سے نکال کر آپ کو دے دوں۔" حمین کہہ رہا تھا۔
"وہ آپ کو یہ واپس دے دینا چاہتے تھے لیکن انہیں خدشہ تھا کہ آپ اسے نہیں لیں گی اور ایسا نہ ہو آپ اور بابا ان کا قرض ادا کرنے کے لیے اسے بیچ دیں۔"

آنسو سیلاب کی طرح امامہ کی آنکھوں سے نکل کر اس کے چہرے کو بھگوتے چلے گئے۔ سکندر عثمان ہمیشہ اس کا بہت شکریہ ادا کرتے رہتے تھے لیکن اس تشکر کو انہوں نے جس طرح اپنے جانے کے بعد اسے پہنچایا تھا' اس نے امامہ کو بولنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ وہ ایک شفیق باپ تھے لیکن اس سے بڑھ کر ایک شفیق سسر تھے۔
"تم نے کبھی بھی پہلے اس رنگ کے بارے میں ذکر نہیں کیا۔" سالار نے اپنے سامنے بیٹھے اپنے اس بیٹے کو دیکھا جو آج بھی ویسا ہی عجیب اور گہرا تھا جیسا بچپن میں تھا۔
"میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ میں کبھی کسی کو اس انگوٹھی کے بارے میں نہیں بتاؤں گا۔ یہ ایک امانت تھی' میں خیانت نہیں کر سکتا تھا۔" اس نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ باپ سے کہا اور پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ہموار قدموں سے چلتا ہوا وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ وہ دونوں تب تک اسے دیکھتے رہے جب تک وہ غائب نہیں ہو گیا۔
"میں یہ انگوٹھی حمین کی بیوی کو دوں گی۔ اس پر اگر کسی کا حق ہے تو وہ حمین کا ہے۔" اس کے جانے کے بعد امامہ نے مدھم آواز میں سالار سے کہا تھا۔ وہ انگوٹھی ابھی بھی اس کی ہتھیلی پر تھی جسے وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ دیکھ رہی تھی' کئی سالوں کے بعد' کئی سال پہلے کی ساری یادیں ایک بار پھر زندہ ہو گئی تھیں۔
سالار نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اس نے امامہ کے ہاتھ سے وہ انگوٹھی لی اور بڑی نرمی سے اس کی انگلی میں پہنا دی۔ اس کی مخروطی انگلی میں آج بھی بے حد آسانی سے پوری آگئی تھی۔

"تمہارا بہت شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا میں امامہ۔" اس نے امامہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہنا شروع کیا "تم نے پاپا کی جتنی خدمت کی ہے' وہ میں نہیں کر سکتا تھا نہ ہی میں نے کی ہے۔"
"سالار!" امامہ نے اسے ٹوکا تھا۔ "تم مجھے شرمندہ کر رہے ہو۔"
"مجھے اگر زندگی میں دوبارہ شریک حیات کا انتخاب کرنے کا موقع ملے تو میں آنکھیں بند کر کے تمہیں چنوں گا۔"

وہ نم آنکھوں کے ساتھ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے اس نے ہاتھ کی پشت پر سجی اس انگوٹھی کو دوبارہ دیکھا۔ سولہ سال کی جدائی تھی جو اس نے اس گھر میں سالار سے الگ رہ کر جھیلی تھی۔ وہ تب چند سال یہاں گزارنے آئی تھی اور تب وہ جیسے تلوار کی ایک دھار پر ننگے پاؤں چل رہی تھی۔ وہ سکندر عثمان کا خیال رکھتے ہوئے دن رات سالار کے لیے خوف زدہ رہتی تھی اور اس نے سالار کو یہ نہیں بتایا تھا مگر اس نے یہ دعا کی تھی تب کہ اگر سکندر عثمان کی خدمت کے عوض اسے اللہ نے کوئی صلہ دینا تھا تو وہ سالار سکندر کی زندگی اور صحت یابی کی شکل میں دے دے اور آج سولہ سال بعد اسے لگتا تھا شاید ایسا ہی ہوا تھا۔ اس کی زندگی کا وہ ساتھی آج بھی اس کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ انگوٹھی ایک بار پھر سے اس کے ہاتھ میں سج گئی تھی اور وہ سولہ سال بعد بالآخر ایک بار پھر سے سالار اور اپنے بچوں کے ساتھ مستقل طور پر امریکہ جا کر رہ سکتی تھی۔ بے شک وہ اپنے رب کی کسی بھی نعمت کا شکر ادا نہیں کر سکتی تھی۔
"میں نے آج بہت عرصے بعد ایک خواب دیکھا..... وہی خواب۔" وہ چونکی' سالار اسے کچھ بتا رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

"ہشام مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔" اپنے سامان کی پیکنگ کرتے ہوئے حمین نے رئیسہ سے کہا وہ بھی ابھی سکندر عثمان کے گھر پر ہی تھی اور چند دن اسے بھی وہاں ٹھہرنا تھا۔ وہ حمین کو اس کا کچھ سامان دینے آئی تھی جب اس نے اچانک اس سے کہا تھا۔

"وہ شاید دادا کی تعزیت کے لیے ملنا چاہتا ہو گا۔" وہ ایک لمحہ کے لیے اٹکی پھر اس نے روانی سے اس سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے۔" حمین نے اسی طرح کام میں مصروف ہوتے ہوئے کہا "تعزیت کے لیے وہ تم سے ملتا یا بابا سے ملتا مجھ سے ملنے کی ضرورت نہیں تھی۔ تم دونوں کے درمیان کچھ بات چیت ہوتی ہے کیا؟" اس نے اپنے ہمیشہ کے دو ٹوک اور صاف گو انداز میں رئیسہ سے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے پوچھا۔ رئیسہ چند لمحے سوچتی رہی' پھر اس نے حمین سے اپنی اور ہشام کی کچھ ہفتے پہلے ہونے والی ملاقات اور گفتگو دہرائی تھی۔

"تو اب وہ کیا چاہتا ہے؟" حمین نے پوری بات سننے کے بعد صرف ایک سوال کیا تھا' کوئی تبصرہ نہیں۔

"پتا نہیں..... شاید تم سے کہے گا کہ تم مجھے منا لو۔"

حمین نے نفی میں سر ہلایا "نہیں وہ مجھ سے یہ کبھی نہیں کہے گا کہ میں تمہیں اس کی دوسری بیوی بننے پر آمادہ کروں' اتنا عقل مند تو ہے وہ کہ ایسا پرپوزل میرے پاس لے کر نہ آئے۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"رئیسہ! تم کیا چاہتی ہو؟" چند لمحے بعد اس نے دو ٹوک انداز میں رئیسہ سے پوچھا۔

"میری چوائس کا ایشو نہیں ہے۔" وہ کچھ بے دلی سے مسکرائی "اس کا مسئلہ جینوئن ہے' تم نے ٹھیک کہا تھا' وہ شاہی خاندان ہے اور اس کے اپنے قواعد و ضوابط ہیں۔ اپنی سوچ ہے' مجھے بہت پہلے ہی اس میں نہیں پڑنا چاہیے تھا۔"

حمین اسے دیکھتا رہا' اس کے سامنے بیٹھی وہ جیسے خود کلامی کے انداز میں بولتی جا رہی تھی یوں جیسے اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"بادشاہ بزدل ہے۔" حمین نے مدھم آواز میں اس سے کہا۔ وہ بات کرتے کرتے رک گئی۔ "اور بزدل نہ پیار کر سکتے ہیں نہ حکومت' نہ وعدہ نبھا سکتے ہیں نہ تعلق۔" حمین نے جیسے اسے ہشام بن صباح کا مسئلہ چار جملوں میں سمجھایا تھا جو وہ سمجھنے سے گریزاں تھی۔

"لوگ پیار کے لیے تخت و تاج ٹھکراتے ہیں نا تو وہ ٹھکرائے..... اگر بادشاہ رہ کر تمہیں زندگی کا ساتھی نہیں بنا سکتا تو بادشاہت چھوڑ دے۔" رئیسہ ہنس پڑی۔

"بادشاہت چھوڑ دے..... میرے لیے؟ میں اتنی قیمتی نہیں ہوں حمین کہ کوئی میرے لیے بادشاہت چھوڑتا پھرے۔" اس نے بڑی صاف گوئی سے کہا تھا۔

"ہو سکتا ہے ہو..... ہو سکتا ہے تمہیں پتا نہ ہو..... اور اگر وہ تمہاری قدر و قیمت پہچاننے کے قابل نہیں ہے تو ساتھ زندگی گزارنے کے قابل تو بالکل نہیں ہے۔" وہ دو ٹوک انداز میں کہہ رہا تھا۔

"تو حل میرے پاس ہے۔ اب دیکھتے ہیں اس کی سمجھ میں آتا ہے یا نہیں..... میں واپس جا کر اس سے ملوں گا۔" حمین نے اعلان کرتے ہوئے کہا۔ رئیسہ اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"ڈاکٹر احسن سعد آپ کو بڑی اچھی طرح جانتے ہیں بلکہ وہ بتا رہے تھے کہ ان کے والد صاحب بابا کے بھی بڑے قریبی دوست تھے۔ عبداللہ ہی بتا رہا تھا کہ وہ اور ان کے والد' دادا کی تعزیت کے لیے امریکہ میں آ کر ملیں گے بابا سے۔" عنایہ چہل قدمی کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

وہ اور جبریل لان میں چہل قدمی کر رہی تھے جب عنایہ کو اچانک عبداللہ کے ذکر چھیڑے جانے پر احسن سعد یاد آیا اور اس کے ساتھ ہونے والی گفتگو اس نے جبریل سے اس کا ذکر کرنا ضروری سمجھا۔
احسن سعد کا نام ہی جبریل کو چونکانے کے لیے کافی تھا، لیکن وہ یہ سن کر زیادہ حیران ہوا تھا کہ جس احسن سعد کی وہ بات کر رہی تھی وہ نہ صرف جبریل سکندر کو جانتا تھا بلکہ اس کا باپ سالار کا قریبی دوست تھا۔ وہ الجھا تھا جس احسن سے وہ ملا تھا اس نے ایسا کوئی ذکر یا حوالہ نہیں دیا تھا۔ اسے عائشہ کے سابقہ شوہر کی تفصیلات کا پتا نہیں تھا سوائے اس کے نام، پروفیشن اور اسٹیٹس کے۔ فوری طور پر وہ یہ سمجھ نہیں سکا کہ یہ وہی احسن سعد تھا یا وہ کسی اور کا ذکر کر رہی ہے یہ بات کنفیوز کر رہی تھی۔
"عبداللہ تو بے حد انسپائرڈ ہے اس سے کہہ رہا تھا نکاح کے گواہوں میں سے ایک وہ احسن سعد کو رکھے گا۔۔۔ اس نے تو احسن سعد کو پیر و مرشد بنایا ہوا ہے، ہر بات میں اس کا حوالہ دیتا ہے۔۔۔" وہ کہتی جا رہی تھی اور جبریل بے چین ہونے لگا تھا۔
"عبداللہ ان ہی کے ساتھ پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے۔ مجھے بھی اچھا لگا وہ۔۔۔ ذکر تو پہلے بھی عبداللہ سے سنتی رہی تھی لیکن مل کر مجھے حیرانی ہوئی کہ وہ کافی ینگ ہے۔۔۔ بہت باعلم ہے دین کے بارے میں۔۔۔ اور حافظ قرآن بھی ہے۔"
مماثلت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ جبریل اب بولے بغیر نہیں رہ سکا۔
"شادی شدہ ہے؟" اس نے خواہش کی تھی وہ کوئی اور احسن سعد ہو۔ "نہیں بس یہی بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے اس کے ساتھ۔" عنایہ کے جواب نے جیسے اس کا دل نکال کر رکھ دیا تھا۔
"بیوی سائیکو اور خراب کریکٹر کی تھی۔ کسی کے ساتھ اس کا افیئر چلتا رہا اور احسن سعد بے چارے کو پتا ہی نہیں تھا پھر ڈائی وورس ہو گئی لیکن بیوی نے بچے کی کسٹڈی بھی نہیں دی اور اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ مل کر اس معذور بچے کو جان سے مار دیا تاکہ دونوں شادی کر سکیں اور بچے کے نام جو جائیداد تھی، وہ اسے مل جائے۔۔۔ احسن سعد نے کیس کیا تھا اپنی سابقہ بیوی کے خلاف قتل کا۔۔۔ تو اس عورت نے کچھ بیچ اپ کرنے کی کوشش میں اس بچے کے نام جو بھی جائیداد تھی، وہ اس کے نام کر کے معافی مانگی ہے۔ بہت اچھا انسان ہے، وہ کہہ رہا تھا معاف کر دے گا، اب بیٹا تو چلا گیا۔" عنایہ بڑی ہمدردی کے ساتھ وہ تفصیلات سنا رہی تھی۔
"تم جانتی ہو وہ بوائے فرینڈ کون ہے جس نے احسن سعد کی بیوی کے ساتھ مل کر اس کے معذور بچے کا قتل کیا ہے؟" جبریل نے یک دم اسے ٹوکا تھا۔ عنایہ نے حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھا۔ جبریل کا سوال جتنا عجیب تھا اس کا لہجہ اور تاثرات اس سے زیادہ عجیب۔
"نہیں میں کیسے جان سکتی ہوں، ویسے عبداللہ، احسن سعد سے کہہ رہا تھا کہ اسے اپنی سابقہ بیوی اور اس کے بوائے فرینڈ کو معاف نہیں کرنا چاہیے۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔" عنایہ نے روانی میں کہا اور جبریل کے اگلے جملے نے اس کا ذہن جیسے بھک سے اڑا دیا تھا۔
"وہ بوائے فرینڈ میں ہوں۔" بے حد بے تاثر آواز میں جبریل نے اس سے کہا تھا۔
"اور عنایہ! میں اب کہ عبداللہ سے تمہاری شادی بھی نہیں ہونے دوں گا۔" اس کا اگلا جملہ پہلے سے بھی زیادہ ناقابل یقین تھا۔

سالار سکندر، سکندر عثمان کے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ لائٹ آن کر کے اس نے سکندر عثمان کے بستر کو دیکھا۔ وہاں اب کوئی نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی نمی دوڑی تھی۔ کئی سالوں سے اب اس کے اور ان کے درمیان صرف خاموشی کا رشتہ ہی رہ گیا تھا۔ بات چیت نہیں ہوتی تھی۔ اس کے باوجود اسے ان کے وجود سے ایک عجیب سی طمانیت کا احساس ہوتا تھا۔

"میں اپنی نظروں کے سامنے تمہیں جاتا ہوا نہیں دیکھ سکتا سالار! اس لیے بس یہی دعا کرتا ہوں کہ تم سے پہلے چلا جاؤں۔۔۔ تمہارا دکھ نہ دکھائے اللہ کسی بھی حالت میں مجھے۔"

سالار کو لگا جیسے یہ جملے پھر اس کمرے میں گونجے تھے۔ انہوں نے اس کی بیماری کے دوران کئی بار اس سے یہ باتیں کہی تھیں۔ اور ان کی دعا قبول ہو گئی تھی' وہ سالار کا دکھ دیکھ کر نہیں گئے تھے۔

"کیا فرق پڑتا ہے پاپا۔۔۔ ہر ایک کو جانا ہے دنیا سے۔۔۔ جس کا رول ختم ہو جائے وہ چلا جاتا ہے۔" سالار کئی بار انہیں جواباً کہتا تھا۔

"جوان بیٹے کا غم اللہ کسی کو نہ دکھائے سالار۔" وہ رو پڑے تھے اور یہ آنسو سالار نے ان کی آنکھوں میں صرف اپنی بیماری کی تشخیص کے بعد دیکھنا شروع کیے تھے' ورنہ سکندر عثمان کہاں بات بات پر رو پڑنے والے آدمی تھے۔

وہ ان کی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ وہ اور امامہ اب وہاں سے جانے والے تھے۔ وہ کمرہ اور وہ گھر اب بے مکین ہونے والا تھا۔ وہ دو ہفتوں سے وہاں تھا اور اس سے زیادہ وہاں نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ حمین پہلے جا چکا تھا اور اب جبریل اور عنایہ بھی اس کے پیچھے چلے جاتے' پھر امامہ۔۔۔ جو سب سے آخر میں وہاں سے جاتی اور پھر پتا نہیں اس گھر میں دوبارہ کبھی وہ یوں اکٹھے بھی ہو پاتے یا نہیں۔۔۔ اور اکٹھے ہوتے بھی تو بھی پتا نہیں کب۔

زندگی کیا شے ہے' کیسے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔۔۔ وقت کیا شے ہے رکتا ہے تو رک ہی جاتا ہے' چلتا ہے تو پہیوں پر۔

"میں آپ جیسا باپ کبھی نہیں بن سکا اپنی اولاد کے لیے' پاپا۔" اس نے مدہم آواز میں وہاں بیٹھے خود کلامی کی۔

"میں آپ جیسا بیٹا بھی کبھی نہیں بن سکا۔" وہ رک کر دوبارہ بولا۔

"لیکن میرے بیٹے آپ جیسے باپ بنیں اور آپ جیسے ہی بیٹے۔۔۔ میرے جیسے نہیں۔۔۔ میری صرف یہ دعا ہے۔"

اس نے نم آنکھوں کے ساتھ ٹیبل پڑے ان کے گلاس اٹھا کر چھوئے پھر انہیں ٹیبل پر رکھ کر دوبارہ اٹھ گیا۔

☼ ☼ ☼

"بیوی کو کیوں مارا؟"

"ایک بڑے آدمی کے ساتھ اس کے ناجائز تعلقات تھے۔"

"پھر؟"

"پھر مجھے پتا چلا کہ جسے میں اپنی بیٹی سمجھتا تھا' وہ بھی اس کی بیٹی تھی۔"

"پھر؟"

"پھر۔۔۔ بس برداشت نہیں کر سکا میں۔۔۔ میں غیرت مند تھا' اسے بھی قتل کر دیا' باقی اولاد کو بھی۔۔۔ پتا نہیں وہ بھی میری تھی یا نہیں۔"

CNN پر غلام فرید کے ساتھ ہونے والا وہ انٹرویو انگلش سب ٹائٹلز کے ساتھ چل رہا تھا اور دنیا کے تمام بڑے

چینلز اس وقت اس انٹرویو کو بریکنگ نیوز کے طور پر پیش کر رہے تھے۔ صرف دس منٹوں میں دنیا بھر میں سالار سکندر اور SIF ایک بار پھر زبان زدعام ہونے والی تھی اور اس بار یہ "شہرت" نہیں رسوائی تھی جو اس خاندان کے حصے میں آنے والی تھی۔

"وہ بڑا آدمی کون تھا؟" انٹرویوئر نے غلام فرید سے اگلا سوال کیا۔

"میں اس کا چوکیدار تھا' اس کے اسکول کا۔ اس نے مجھے اس لیے وہاں سے نکال دیا کہ اس کے میری بیوی سے تعلقات تھے۔"

انٹرویو کرنے والے نے غلام فرید کو ٹوکا۔ "اس بڑے آدمی کا نام کیا تھا؟"

"سالار سکندر" غلام فرید نے بے حد روانی سے کہا۔

دنیا بھر کی ٹی وی اسکرینز پر عین اسی لمحے سالار سکندر کی تصویر نمودار ہوئی تھی اور پھر اس کے چند لمحے بعد رئیسہ سالار کی۔ بیک وقت۔ ایک ہی جیسی تصویریں۔

وہ CIA کا اسٹنگ آپریشن نہیں تھا' وہ انہوں نے پوری قوت اور طاقت سے مغربی انٹیلی جنس ایجنسیز کے اشتراک سے دنیا کے کامیاب ترین اسلامی مالیاتی نظام کے بانی اور SIF کی بنیادوں پر دن دہاڑے حملہ کیا تھا۔

"غلام فرید تم کیا چاہتے ہو؟" انٹرویو لینے والا اب اس سے پوچھ رہا تھا۔

غلام فرید ایک لحظہ کے لیے رکا پھر اس نے کہا۔ "سالار سکندر کے لیے پھانسی کی سزا۔"

٭ ٭ ٭

نیروبی کے اس فائیو اسٹار ہوٹل میں ہونے والی تقریب افریقہ کی تاریخ کے یادگار ترین لمحوں میں سے ایک تھی۔ کچھ گھنٹوں کے لیے دنیا کی تمام اکنامک مارکیٹس جیسے اس ایک تقریب پر فوکس کرکے بیٹھ گئی تھیں جہاں SIF حمین سکندر کی کمپنی TAI کے ساتھ مل کر افریقہ میں دنیا کے سب سے بڑے مالیاتی فنڈز کے قیام کا اعلان کرنے والی تھی۔ وہ انضمام نہیں تھا' اشتراک تھا اور دنیا کا کوئی بڑا مالیاتی ادارہ نہیں تھا جس کا سربراہ وہاں اس فائیو اسٹار ہوٹل کے بینکوئیٹ ہال میں موجود نہ ہو۔ وہاں دنیا کے بہترین دماغ تھے' اپنی اپنی فیلڈ کے نامور لوگ اور ان لوگوں کے جمگھٹے میں وہاں سالار سکندر اور حمین سکندر اس گلوبل فنڈ کا اعلان کرنے والے تھے۔ جس کی مالیت دنیا کے تمام بڑے مالیاتی اداروں کو پچھاڑنے والی تھی۔

9:14 پر بھی ٹیلی اسکوپ کی آنکھ سے اس ٹارگٹ کلر کو وہ "مہمان" لفٹ کے دروازے سے نمودار ہوتا نظر نہیں آیا۔ لیکن وہ دم سادھے' آنکھ ٹیلی اسکوپ پر ٹکائے' ایک انگلی ٹریگر پر رکھے لفٹ کا دروازہ کھلنے کا منتظر تھا۔

دس۔۔۔ نو۔۔۔ آٹھ۔۔۔ سات۔۔۔ چھ۔۔۔ پانچ۔۔۔ چار۔۔۔ تین۔۔۔ دو۔۔۔ ایک۔۔۔

(آخری قسط ان شاء اللہ آئندہ ماہ)